ابلیس

از:- خواجہ محمد شفیع دہلوی

اِبلیس





اِبلیس

خواجہ محمد شفیع دہلوی

کلاسیک

ناشر ★ اختر حسین - کلاسیک - بیرون لوہاری - لاہور
طابع ★ چوہدری علی محمد - آردو پریس - میکلوڈ روڈ - لاہور

تین روپے آٹھ آنے

پیش لفظ

انشاپردازی، مضمون نگاری، افسانہ نویسی، اور لطیفہ سنجی کی اگر کوئی ذاتِ واحد مجموعہ ہو سکتی ہے تو وہ خواجہ محمد شفیع کی ذات ہے۔ جن لوگوں کو آپ سے قریب ہونیکا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ کی طبیعت میں کسقدر شگفتگی، تقریر میں کسقدر چسپیدگی، اور مزاج میں کسقدر سلامت روی ہے اور یہی وہ تمام چیزیں ہیں جو خواجہ صاحب کی تصنیف و تالیف کے آئینہ میں رونما ہیں آپ کی طرزِ تحریر میں تنوع اور اندازِ نگارش میں ایک ندرت ہوتی ہے۔ معمولی سے معمولی چیز کو اپنی رنگیں بیانی سے ایک مرقع اور سادہ سے سادہ شے کو اپنی شگفتہ بیانی سے لالہ زار بنا دیتے ہیں۔ آپ کسی واقعہ کو صرف واقعہ کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ اسکے اسباب پر ایک محقق نظر ڈالتے ہیں۔ یعنی آپ صرف پھولوں کے تبسم کو حاصل نظر نہیں سمجھتے بلکہ نسیم سحری کے اس لطیف جھونکے کو محسوس کرتے ہیں جسکی گدگدی نے غنچہ کو پھول بنا دیا یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصانیف میں جابجا انتہائی حسین نفسیاتی تجزیہ اور جذباتی تحلیل پائی جاتی ہے۔ ہر واقعہ کی بنیاد اور مکمل پس منظر ہوتا ہے جس کی روشنی میں واقعہ صرف حسنِ اتفاق نظر نہیں آتا بلکہ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ یہ نتیجہ عین اقتضائے فطرت اور لازمی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ طبیعت ایک نہ محو ہونے والا اثر قبول کرتی ہے اور دل و دماغ پر ایک نہ مٹنے والا نقش ثبت ہو کر رہ

جاتا ہے۔ اسی قبیل سے خواجہ صاحب کا یہ پیش نظر اضافہ "ابلیس" ہے جو بحرِ زندگی کے اس مدّ و جزر کا مکمل نمونہ ہے جس سے ہر کشتیٔ حیات کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی شگفتگیٔ زبان اور رنگینیٔ بیان جہاں دل و دماغ کے لئے فرح افزا ہے وہاں اصلاحی، تعمیری خیالات بھولے بھٹکوں کو راہِ راست پر لگانے کیلئے مشعل راہ،

جہانتک اس افسانے کا تعلق ہے اسکے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، بظاہر وہ نادر تشبیہات، نایاب استعارے، زبان کے چٹخارے، بیان کی بے تکلفی، جذبات کی ترجمانی کا اس حد تک مرقعِ نظر آتا ہے کہ پڑھنے والا ان مناظر میں کھو کر رہ جاتا ہے اور دوسرے پہلو کی ایک ثانوی حیثیت بھی نہیں رہتی لیکن اگر اس کو صرف پڑھا نہ جائے بلکہ بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو دوسرا پہلو پہلے سے زیادہ روشن اور جاذب نظر آتا ہے۔ جا بجا خواجہ صاحب اخلاقی، اصلاحی، تمدنی اور معاشرتی پہلوؤں پر بحث ہی کرتے نظر نہیں آتے بلکہ اُن کمزوریوں اور بیماریوں کا علاج بھی کرتے نظر آتے ہیں جو ان کو اپنے ابنائے وطن اور افرادِ قوم میں نظر آتی ہیں۔ اور یہی وہ سب سے بڑی خصوصیت ہے جس نے خواجہ صاحب کو اپنے معاصرین میں ایک خاص طرۂ امتیاز کا حامل بنا دیا ہے۔

فیض جھنجھانوی

ایک تو رات اندھیاری اس پہ بدلی کاری۔ تمام عالم پر گناہ کی سی تیرگی طاری ——— کالی گھٹا میں بجلی اس طرح کوندرہی تھی جیسے تیرہ باطن حبشی پہ خواہش گناہ آتشیں کوڑے برسائے ——— تیرگی منہ سے کہہ رہی تھی کہ میں جہانِ سیاہ کاری کا نچوڑ ہوں ——— آسمان پہ ابر کے تودہ کچھ ایسے تہ بہ تہ چڑھے تھے جیسے روزِ حشر ابنائے آدم کے گناہ انبار در انبار جمع کئے گئے ہوں ——— بارش یوں ہو رہی تھی جیسے عفریتِ طغیان زدہ عرقِ گناہ میں شرابور ہو یا عصیاں شعاروں کو غرق کرنے طوفانِ نوح بپھر کر آیا ہو، بادلوں کی گرج اس مست ہاتھی کی چنگھاڑ معلوم

ہوتی جو حیات پامال کرنے زنجیریں تڑا کر نکلا ہو۔

زمین نے اپنی سوتیں کھول دی تھیں۔ آسمان پر سے تڑیڑے پڑ رہے تھے ——— سماد سمک عذاب اگلتے نظر آتے۔

ان حالات میں شیرا مشہور جرائم پیشہ۔ دھاڑی چور۔ ڈاکو۔ راہزن مستقل جیل کا باشی سات سال کی میعاد کاٹ کر نکلا تھا اور آبادی سے دُور مستقبل کے منصوبے گھڑتا جنگلوں اور کھیتوں میں چلا جا رہا تھا ——— جسم پہ بارش پڑ رہی تھی ——— سانپ کی مانند سر پہ بجلی کوند رہی تھی اُس کے مغلوب الخواہشات قلب و دماغ میں مختلف بھوکوں نے آگ سی دہکا رکھی تھی۔

سات سال کی طویل فاقہ کشی کے بعد دنیا میں آیا تھا ——— دماغ پہ مجنونانہ حالات طاری تھے ——— جنسی بھوک بھوت کی طرح گلا پکڑ رہی تھی ——— جب بجلی چمکتی تو اس کو شب رنگ چمپا کے دانت یاد آجاتے ——— منہ پہ پانی کے تھپیڑے اُس کے گنواری چونچلے یاد دلاتے ———

جب راہ میں سرکنڈے اس کی رانوں سے مس کرتے تو خواہشات
پہ ایک اور "تازیانہ" ہوتا اور یہ تڑپ سا جاتا ——— شیرا
انہی خیالات و حالات میں مست دیوانہ وار چلا جا رہا تھا کہ بجلی
کوندی اور اسے چند قدم کے فاصلہ پہ ایک ٹوٹی سی جھونپڑی نظر آئی
اس بے خانماں کو۔ یہ اس وقت اور ان حالات میں محل معلوم ہوئی
——— اندر چلا گیا۔ اپنے پانی میں تر اور پرانے کپڑے
اُتار کر بھوسے میں گھس رہا تھا جو کسی نرم گداز شئے کو ہاتھ لگا اور اس
کے تمام جسم میں بجلی کی لہر دوڑ گئی۔

یہ کٹی تھی گاؤں کی معروف دیوانی جو ابر و باد سے بچ کر رات
گذار رہی تھی۔

یہ دونوں رات کے ایک بستر کے شب باش صبح ایک دوسرے
کو نفرت، حقارت اور عناد کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے اور دست و
گریباں ——— شیرا نے اپنی راہ لی۔ کٹی گاؤں آگئی۔
عورت کا جسم اس کا اعمال نامہ ہے۔ مرد ان اثرات سے مامون
——— اس تاریک رات کے افعال دیوانی کٹی کے بدن پر

دست فطرت نے تحریر کرنے شروع کر دیے ——— شبرا کی کسی کو خبر نہ ہوئی اور وہ اپنی ہوس بجھانے کہیں اور پہنچا تاہم قاہر فطرت بدلہ لیا کرتی ہے اور شاید حیات نو کی بنیاد رکھتے ہوئے شبرا نے اپنی موت کی طرح ڈالی تھی یہ کون جانے۔

نو ماہ بعد کھیت میں کام کرنے والی گنواریوں نے ایک طرف سے ہائے ہائے کی دل گداز آواز سنی جیسے کوئی عورت کرب میں مبتلا کراہ رہی ہو۔

عورت کے کان یہ آواز پہچان جاتے ہیں ———

جا کر دیکھا تو کٹّی درد زہ میں تھی ——— گاؤں کا بچہ بچہ اس کے حالات سے واقف تھا۔ کوئی تعجب کی بات نہ تھی گاؤں والوں نے اس بچّہ کا نام رام دتا رکھا اور رامو رامو کہہ کر پکارنے لگے ——— کٹّی دیوانی سہی لیکن تھی ماں اپنے رامو کو سینہ سے لگائے لگائے پھرتی۔ اگر کوئی صاحب فہم و عقل عورت ہوتی تو یقیناً شرماتی لجیاتی اپنے اعمال کو چھپاتی لیکن کٹّی تو محض دیوانی فطرت تھی ملبوسات و تزئینِ شعور سے معرا ——— رامو کٹّی کا لال تھا وجہ ننگ و

عادہ نہیں۔

آٹھ سال کا رامو گاؤں کے دوسرے دس دس گیارہ گیارہ سالہ لڑکوں سے ٹکرا تھا وہ گاہ گاہ اُسے حرامی کہہ کر چھیڑتے اور پھر دنگل جمتا اگر مائیں حمایت کو آتیں تو کٹّی ان سے برسرِ پیکار ہوتی۔

اب رامو دس سال کا تھا اور اپنی عمر سے زیادہ معلوم ہوتا۔

ایک روز جھبرا کی جھونپڑی میں دودھ آوے میں رکھا اونٹ رہا تھا اور اس کی گھروالی بھی نہ تھی۔ رامو جو ادھر سے گذرا تو گاڑھا گاڑھا دودھ اس پہ موٹی موٹی ملائی دیکھ کر رہ نہ سکا۔ موقع بھی تھا۔ بھوک بھی، اندر گھس مٹی کی ہنڈیا کو منہ لگا پی گیا —— کلائی سے منہ پونچھا لنگوٹی سے ہاتھ۔ باہر نکل رہا تھا جو جھبرا کی لگائی آ گئی۔ بولی ارے تو اندر کیا کر رہا تھا۔ بولا کچھ نہیں ویسے ہی آیا تھا۔ اتنا کہہ سیدھا ہو لیا۔

اب جو وہ اندر جا کر دیکھتی ہے تو دودھ کی ہنڈیا خالی یہ بپھری ہوئی چیختی چلاتی اپنے مرد کے پاس گئی وہ ڈنڈا سنبھال کر آیا۔ رامو ایک کھیت کی مینڈھ پر بیٹھا مل گیا۔ دونوں نے مل کر اسے خوب مارا

ماں نے حمایت بھی لی لیکن کچھ چلی نہیں اور اس غریب کے کئی جگہ چوٹیں بھی آئیں۔

رات کو یہ دونوں ماں بیٹے شریکِ غم و الم بیٹھے تھے۔ ایک طرف ورانتی پڑی تھی ——— ماں کی نظریں بیٹے سے شکایت کر رہی تھیں ان دونوں کی گفتگو کبھی بھی رہینِ تکلم نہ ہوئی تھی ایک دوسرے کی نگاہیں پہچانتے تھے۔ بیٹا تڑپ گیا مٹھیاں بھینچیں نظر ورانتی پر گئی تیوریہ پہ بل آیا جبڑے شدت سے جمے ———

تھوڑی دیر بعد کٹی تو سو گئی لیکن رامو جاگتا رہا۔ ماں چوٹوں کے باعث نیند میں بار بار کراہتی تھی۔ انتقام رامو کے سینہ میں آتشیں نیزہ بھونک رہا تھا سوتی ہوئی ماں کی ہر آہ اس کے جذبات جگا رہی تھی۔

آخر کار یہ گریہ پائی سے اٹھا۔ ورانتی لی ماں پہ ایک نظر ڈالی اور باہر نکل گیا ——— صبح گاؤں میں ایک تہلکا مچا تھا۔ تین آدمی قتل ہوئے تھے اور یہ تینوں وہی تھے جنھوں نے رامو اور اس کی ماں کو مارنے پیٹنے میں حصہ لیا تھا۔ رامو کی تلاش کی گئی لیکن وہ غائب

تھا کہیں نہ ملا۔

مکھیا نے پولیس میں رپورٹ کی تھانہ دار آئے۔ سپاہی سرہنگ گاؤں میں پھرتے رہے۔ ان کی ضیافتیں ہوئیں۔ قانون نے اپنی خانہ پری کی لیکن راموکا کہیں پتہ نہ چلا۔ کٹّی کو بھی مارا پیٹا جبر و اکراہ سے کام لیے تیسرے درجہ کے ممنوع طریقے بھی اختیار کیے لیکن اس غریب کو خود اپنی خبر نہ تھی راموکا پتہ کیا بتاتی آس پاس کے گاؤں میں بھی اطلاع کر دی گئی۔ تمام تھانوں میں راموں مفرور کا حلیہ درج رجسٹر ہو گیا ــــــــــ چونکہ جرم بیٹے کا تھا ماں بے قصور اس وجہ سے بازپرس بے سود کے بعد اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔

اب کٹّی کی یہ حالت کہ نہ کھائے نہ پیئے نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے گاؤں والوں کو نیلے پیلے دیدوں سے گھورے دانت پیسے اور چپ بیٹھی رہے۔ اسی طرح کچھ عرصہ بعد ختم ہو گئی۔

راموگاؤں سے نکل کر راتوں رات کھیتوں میں سے ہوتا چھپتا چھپاتا دور جا پہنچا جرائم پیشہ باپ کا لہو رگوں میں تھا قدم جب بھی رکھے یا تو کھیتوں گیہر بیچ میں یا پتھروں پر کہ کھوج بھی نہ مل سکے ــــــــــ دن کو

چھپا رہتا رات کو ترکاریاں اور کچا اناج کھاتا ہوا منزلیں طے کرتا۔ رامو کے قدم گو آگے بڑھ رہے تھے لیکن ایک نامعلوم طاقت زنجیر پا بنی جاتی تھی اور یہ کچھ مجبور ہو کر گاؤں کی جانب دوبارہ لوٹا ——— قدم شب کی تاریکی میں جان جوکھوں کے مقابل وہیں پہنچے جہاں یہ ماں بیٹے رات کو بسیرا لیتے تھے۔ موت کا پنجہ بھوکی پیاسی ماں کے حلقوم پر تھا کہ بیٹے کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی۔ لختِ جگر کے آنسوؤں نے ماں کو آخری قطرات پیش کئے اور کٹی ٹھنڈی ہو گئی ——— جسم پر پولیس کی مار کے نشانات تھے۔ اس شب گاؤں کا ہیڈ کانسٹیبل گنڈا اسے کا شکار ہوا ——— مکھیا کے گھر پر بھی کچھ آہٹ ہوئی لیکن جاگ ہو گئی۔ صبح اس کی دیوار کے نیچے پاؤں کے نشان پائے گئے۔ گاؤں والوں نے پہچان کر رامو کے بتائے۔

رامو اب پھر سر بصحرا نکلا۔ جانتا تھا کہ پلیس شکاری کتوں کی طرح

پیچھا کرے گی۔ محکمہ کا آدمی مارا گیا ہے ———— ایک خونی جس طرح سفر حیات طے کرتا ہے اسی طرح یہ بھی گاؤں اور قریوں سے گزر رہا تھا۔ رات کو سوئے کئی دن گذر گئے تھے۔ راہ میں اسے ایک غار نظر آیا کسی نے سوکھی ہوئی گھاس بچھا رکھی تھی۔ نیز یہ دیگر ایسے ہی غاروں کی نسبت قدرے صاف ستھرا معلوم ہوتا تھا۔ یوں سمجھیئے کہ دست ابنِ آدم کے اثرات یہاں پائے جاتے تھے۔

رامو وہاں پڑ رہا ———— ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ اندھیرے میں دو سائے سے آتے نظر آئے۔ چوری چھپے کی زندگی نے اب قدرے اس کی آنکھوں کو تاریکیوں کا عادی کر دیا تھا اس نے دیکھ لیا کہ کھوہ میں ایک مرد اور ایک عورت داخل ہوئے ہیں ———— یہ خوف زدہ ہو کر ایک کونے میں اُس چیتے کی طرح ہو بیٹھا جو خطرہ محسوس کرے لیکن مدافعت پہ آمادہ ہو۔

یہ جوڑا باہر سے آ رہا تھا اندر کی تاریکی سے نظریں ابھی مانوس نہ ہوئی تھیں نیز ان کی نگاہوں پہ کچھ پردے بھی پڑے تھے ———— رامو کا دماغ اب تک بالکل ناآشنائے صنف تھا۔ لیکن ان دونوں

کی حرکات نے اس کے خوابیدہ جذبات و احساسات کو جگا یا وہ انگڑائی لے کر اُٹھے اور مچل کر کھڑے ہو گئے ——————— ذہن پر جو زندگی کے اس پہلو کی جانب گھٹا چھائی تھی اس میں ایک بجلی سی کوندی اور بدلی پھٹ گئی ۔ اس ابنِ فطرت کے تمام و کمال ہوا اس اس جانب آپ ہی آپ کھچے جا رہے تھے جسم کچھ لغزشیں محسوس کرتا ۔ کانوں کی لو آگ سی دینے لگی ۔ آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر نکل کر عورت کے جسم میں پیوست ہو جانے کے لئے بے قرار تھیں ۔ ہاتھوں میں کچھ ایسی تشنجی کیفیت تھی جیسے بھوکے گدھ کے پنجے گوشت کو دیکھ کر بھچیں اور کھلیں ۔

کچھ دیر تو یہ اپنے کو قابو میں رکھ سکا لیکن فطرتاً غلط کاروں میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ پاسبانِ عقل جذبات پر قابو پانے کے ناقابل ہوتا ہے یہی نقص وجہ جرائم بنتا ہے ۔

زبیدار خواہشات نے اسے اندھا کر دیا اور یہ بھرے ہوئے شیر کی طرح اس جوڑے پر جا پڑا ۔ پہلے تو وہ دونوں گھبرا گئے ۔ لیکن چند لمحہ بعد مرد آمادہ بہ پیکار تھا اور یہ دورِ اوّل کے ابنِ آدم بنتِ حوّا پر

متصادم ——— ان کے ہاتھ پاؤں دانت اور سر ہتھیار تھے اور یہ ایک دوسرے پر ہٹ ہٹ کر حملہ آور۔ مقابل آزمودہ کار نبرد آزما معلوم ہوتا تھا لیکن رامو کی جوانی اس کی حمایت پر تھی ——— سامنے والے کی پیشت اگر سنگِ خارا کا ستون تھی تو اس کی کمر بھی باسی کی محراب نظر آتی اگر وہ پیل مست کی مانند مستک زنی کرتا تو اس کا تھپڑ بھی قوت شیر کا حامل تھا ——— غرضیکہ یہ ایک دوسرے کو چیرے ڈال رہے تھے بالآخر جو ان کا سانس کام آیا اور رامو مقابل پہ بھاری پڑنے لگا اس کی دھونکنی سی چل رہی تھی اس کا دم قائم اوّل الذکر کے وار اوچھے رہے جا رہے تھے اور اس کے حملہ بھر پور ——— اب وہ قدرے بچ بچ کر لڑ رہا تھا اور یہ چھایا جا رہا تھا ——— موقع شناس حریف جھپکی دے کر بھاگنے ہی کو تھا کہ اس نے اَنٹی مار گرا لیا اور سینہ پہ چڑھ بیٹھا انگلیاں حلقوم پر جما دیں ——— عورت سدا اسے فاتح کی ہوئی ہے اور جوان رامو کے فتح نصیب ہونے میں اب کوئی شبہ نہ تھا۔

چند روز بعد اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مشہور ڈاکو شیرا کی لاش ایک کھو میں پڑی ملی اور اس کے ساتھ گاؤں کی طوائف چمپا کا بھی جسدِ بیجان تھا جس پہ بہت سے دانتوں کے نشان تھے اور سر پہ ضربِ کاری۔ باچھیں چری ہوئی۔ حلقوم پہ انگلیوں کے نشان۔

مثل مشہور ہے کہ مالِ عرب پیشِ عرب نیز تجربہ بتاتا ہے مالِ دُزدِ بر جسم دزد۔ شیرا کے پاس سے اچھا خاصا نقد وجواہر رامو کو دستیاب ہوا اور شاید وہ اس کا ورثہ بھی تھا جو دستِ قضا نے بیٹے کو پہنچا دیا۔

جب سے رامو گاؤں سے بھاگا تھا اس کے حلیہ کا اشتہار تمام ہندوستان میں کر دیا گیا تھا۔ یہ نووارد بساطِ جرم قانون کے ان دور رس ہاتھوں سے ناآشنا نہیں جانتا تھا کہ ہر چہار سو مجرم شکار نگاہیں اس کی متلاشی ہیں۔

ایک روز دہلی میں بہ رات کو چاوڑی بازار کی سیر کر رہا تھا کہ ایک شخص نے اسے مشتبہ نظروں سے دیکھا——————کوٹھوں پہ عصمت فروشانِ عشوہ گر دمردم شکار سجی بنی بیٹھی تھیں۔ یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ شخصِ نامعلوم اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ تاہم یہ بکارہ

خواہشات ایک ایک کوٹھے پر چڑھتا پھرا۔ اتنے میں وہ پیچھا کرنے والے ایک سے دو ہو گئے اور گھٹتے ہوئے سائے کی طرح اس سے قریب تر ہونے لگے۔ اس نے ایک نالی پر بیٹھ اپنا رامپوری چاقو کھول نیفہ میں اڑا لیا ——— ساتھ کے ساتھ موروثی مجرم و مجنوں و ماغ کام کرنے لگا اکثر و بیشتر دیوانے جو راہیں نکال لیتے ہیں فرزانوں کو وہ نہیں سوجھتیں اس وجہ سے کہ ان کو جو دماغی یک سوئی نصیب ہوتی ہے اس سے اہل دانش محروم ہیں۔

یہ ایک تاریک گلی میں گیا کوٹھے پر چڑھا۔ سیڑھیوں پر ایک طرف اندھیرے میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ پیروی کرنے والے ابھی آدھے زینہ ہی پر چڑھے تھے جو یہ سیڑھیوں پر سے لڑھکا۔ آنے والے اس داؤں کے لیئے تیار نہ تھے تو مجھ پہ اور ہیں تجھ پہ۔ ساتھ کے ساتھ رامپوری اپنا کام کرتا گیا ایک کی انتڑیاں باہر تھیں ایک گلو بریدہ ——— رامو ان سے نجات پا پھر گھومنے لگا۔ ہاتھوں کا تھوڑا سا خون اور کپڑوں کے چند دھبے ایک نل پر دھولیئے نیز بیٹھا کچھ اس ادا سے جیسے اس کی نکسیر پھوٹی ہو۔ احتیاطاً کچھ خون ناک پر لگا

بھی لیا۔

بازار میں ہڑبم مچ گئی قرب وجوار کی رنڈیاں کمرہ بند کر کے ہو بیٹھیں اس نے بھی یہ منظر ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھا ————

جامع مسجد اور بڑ شاہ بھولا کے درمیان ایک حسین کشمیرن اسے جچی وہاں جا پہنچا۔ معاملہ طے پا گیا دونوں حجلۂ گناہ میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد عورت کی چیخوں کی آواز سنائی دی اور رامو وہاں سے بھاگتا دیکھا گیا۔ ایک وڈے نے پیچھا بھی کیا پہ یہ نکل گیا۔

کشمیرن نے بیان کیا کہ وہ تو وحشی درندہ تھا نیز جسم پہ اکثر دانتوں اور نہتھوں کی خراشیں دکھائیں۔ اس کا کہنا تھا کہ میرے پاس آتے ہی اُس کم بخت کی آنکھیں دو دہکتے انگارہ بن گئیں اور چہرہ بالکل جانوروں کا سا ہو گیا۔ وہ تو مجھے مار ہی ڈالتا میں پہلے ہی سے خائف ہو کر چیخنے لگی اس پہ اس نے تھوڑا بہت زخمی کر ہی دیا۔ میں نے ایسا وحشت ناک مرد آج تک نہیں دیکھا خدا نے بچا لیا۔ اکثر نے ہمدردی کی بعض نے یہ بھی کہا آج ملا سیر کو سوا سیر۔

غرضیکہ رامو نے چند ایسے ناخوشگوار حادثات کے بعد محسوس کر

لیا کہ کوئی خاص شکل و تدبیر اختیار کئے بغیر نہ وہ اپنی خواہشات پوری کرسکتا ہے نہ زندہ ہی رہ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی سمجھ گیا کہ اپنے تنظرِ حال کے لئے اسے ستارِ عیوب یعنی زرِ کثیر کی ضرورت ہوگی۔

دیوانہ جس دھن میں لگ جائے، لگ جائے جو خیال ذہن میں جم جائے، جم جائے پہلے تو اس نے ایک ریڈی میڈ قمیص اور پتلون خریدی پھر انگریزی بال ترشوائے ایک دھوپ کا اور ایک معمولی تالوں کا چشمہ لیا پھر اس شہر کو خیر باد کہہ بمبئی جا براجا۔

چور بازار میں کچھ جواہرات فروخت کر چاندی کا سٹہ کھیلنے لگا۔۔۔ جواریوں کا کہنا ہے کہ اناڑی کا پانسہ سدا اَفدر رہتا ہے۔ ان کے قول کے مطابق جوا لاسہ پہ لگاتا ہے۔ پس رامو کا بھی مقدّر سامنے تھا بہت قلیل عرصہ میں اچھی خاصی رقمیں سیدھی کر لیں۔

پہ یل میں ایک فلیٹ کرایہ پہ لے لیا اور یہی کاروبار جاری رکھا پھر لگے ٹھاٹ سے رہنے ۔۔۔۔۔۔ خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت

آ ہی جاتی ہے۔ جب دولت آتی ہے پوزیشن اپنے ساتھ لاتی ہے ——— رامو نے اپنا نام سیٹھ رام روپ رکھا اور الٹے سیدھے دستخط بھی کرنے سیکھ لئے۔ چوپاٹی، اپولو اور مرین ڈرائیو پر حسینان بمبئی کو دیکھتا۔ آنکھوں میں چمک آتی مٹھیاں بند ہوتیں جبڑے بھچتے جسم میں بجلیاں سی کوندتیں لیکن اپنی وحشیانہ طبیعت اور رفتاری درندگی کے مدِّ نظر دل مسوس کر رہ جاتا۔

تاہم خواہشات کو دبانا اس کی فطرت میں نہ تھا۔ جذب وجنوں اس کے خمیر میں ——— آخر کار پدّو نامی پاترسے رسم وراہ پیدا کی اپنی پوزیشن کا حوالہ دیتے ہوئے تعلقات کی پوشیدگی پر اصرار کیا۔ رنڈی کو کیا عذر تھا ——— یہ رقمیں دیں بھرپور اور رہیں فقط دیدار بازی کی حد تک ——— بمبئی کی طوائف کے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس کو اور بھی بہت سے ایسے معذور عصمت بیچی نہ بے چادری اور نیکی نمکوری والے سیٹھ ملے۔ تھے۔ اس نے سمجھا یہ سیاں بھی اسی قماش کے ہیں یہ نہ جانتی تھی کہ یہ کم بخت جان بھی ساتھ لینے والوں میں سے ہے۔

غرضیکہ رام روپ نے کچھ دن میں اپنی ساکھ جمالی ایک روز رات کو تنہا موٹر میں لے کر چلے گئے یہ مزید احتیاط کی کہ پدّو کو سینما سے آتے ہوئے ٹیکسی میں سے اتار اپنی کار میں بٹھالیا ——— اس کے بعد چشم دہر نے پھر اسے نہ دیکھا۔ تلاش بھی کی گئی جستجو بھی، پولیس میں رپورٹ بھی درج کرائی لیکن بے سود وہ نہ ملنی تھی نہ ملی۔ سیٹھ نے یہ مزید حفظِ ما تقدم کیا کہ دوسرے روز صبح ہی پہنچے معلوم ہوا کہ رات سے غائب ہے گھر میں کہرام بپا تھا نائکہ کھڑی اور پڑی پیٹ رہی تھی انہوں نے بھی بہت اظہار ہمدردی کیا۔ کہا کسی کے ساتھ تو نہیں نکل گئی۔ آنے جانے والوں پہ نظر ڈالو میں جس قابل ہوں ہمہ وقت حاضر ہوں اس گھر میں میں نے آرام پایا ہے جو کہو سو کوشش کروں نائکہ نے شکریہ ادا کیا اور کہا کیا کروں میری تو دنیا اجڑ گئی وہ ایسی تو تھی نہیں کسی کم بخت نے دغا کی ہے بھگوان کرے اس کے دیدوں گھٹنوں کے آگے آئے کوڑھی ہو کر مرے۔

اسی دوران میں رام روپ ریس کھیلنے لگا دو تین گھوڑے بھی خرید لئے انہیں دوڑانے لگا جانور چوٹی کے لئے ———

ایک روز اصل میدان دو گھوڑوں میں تھا ایک رام روپ کا گھوڑا گلاب دوسرا سر مہتاب کا ڈینڈی۔ بمبئی والوں نے اپنی جیبیں خالی کر دیں کئی کئی دن پہلے سے بٹنگ شروع ہوگئی رام روپ نے اپنے جانور کو کئی لاکھ سے بیک کیا تو سر مہتاب بھی پیچھے رہنے والا تھا نہیں

——— بکیز اپنے کام میں مصروف تھے جو ادیوں میں ایک کو ایک ٹپ دے رہا تھا۔ کلبز میں چرچے تھے۔ کوئی تازی سے تازی اصطبل سے لاتا تو کوئی جوکی سے مل کر آتا۔ حیسانِ قمار باز ایک ٹپ پر سب کچھ دینے کو تیار۔

دوسرے روز ریس کے میدان میں سب کی جانیں لڑی تھیں رقمیں پھنسی تھیں کہ گرینڈ اسٹینڈ سے ایک کھلبلی شروع ہوئی۔ خبر رساں زبانیں حرکت میں آئیں۔ معلوم ہوا کہ رات کو ڈینڈی کو سانپ نے ڈسا۔

رام روپ اب نہایت متمول ہو گیا تھا کئی بنکیس میں حسابات تھے اکثر ملز میں شیئرز۔ بمبئی میں عمارتوں کے ٹھیکہ بھی سائڈ لائن کے طور پر لینے

شروع کر دیے ______ جوہو پہ کوٹھی بنائی سمندر کنارہ ٹھیک کوٹھی کے لیے قدرے آبادی سے دور مقام لیا کہا مجھے سکون کی ضرورت ہے چاروں طرف اچھا بڑا باغ لگایا۔

بنگلہ آراستہ پیراستہ لیکن نوکر ملازم کوئی نہیں بوڑھا مالی اور ایک چوکیدار دور سرا گیہ پیشیہ میں رہتے تیسرے چوتھے دن صفائیاں کرنے والے آتے جھاڑ پونچھ کر جاتے۔ یا جب کبھی سیٹھ مہمانوں کو لے کر آتے کوئی پارٹی وغیرہ ہوتی تو سب ملازم ادھر آجاتے نہیں تو سنسان پڑی رہتی، گاہ گاہ سیٹھ صاحب سکون کی تلاش میں کسی کو ساتھ لے کر آجاتے۔ لیکن ملازمین کو حکم تھا کہ کام کاج کر کے پھر اپنے اپنے سرا گیہ پیشیہ میں چلے جائیں بغیر بلائے نہ آئیں گھنٹی کا انتظام تھا اگر کسی نوکر کی طلبی ہوتی تو گھنٹی بجا دی جاتی وہ سارا باغ طے کر کے آتا۔

ایک روز شام کو سیٹھ صاحب تشریف لائے ایک لیڈی فرینڈ ہمراہ تھیں سر شام سے دور جام شروع ہوا۔ رات کو ڈنر کے بعد حسب دستور ملازمین چلے گئے۔ سوڈا، برف۔ سامان نقل وغیرہ قرینہ سے چن دیا تھا ______ عورت آوارہ منش کوئی گوہانی تھی۔ ملازموں کو رات

کے بارہ بجے تک گانے کی آواز سنائی دیتی رہی۔ اس کے بعد روشنیاں گُل ہو گئیں یہ بھی سو گئے۔

صبح سیٹھ صاحب تنہا کوٹھی سے سدھارے عورت کا کہیں پتہ نہ تھا ملازمین نے سمجھا شاید رات ہی کو کسی وقت چلی گئی ہو گی لیکن کچھ تردد اور استعجاب ضرور تھا کیونکہ نیم شب تک انہوں نے اس کے گانے کی آواز سنی تھی ———— دوپہر جوہو پہ سمندر کنارہ ایک عورت کی برہنہ نعش ملی۔ جس کے جسم پر مختلف خراشیں تھیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ نشانات مچھلیوں کے کاٹے کے تھے یا کسی انسان کی بہیمیت کے آثار۔

پولس نے تحقیق تفتیش کی آس پاس کی کوٹھیوں پر دریافت کیا سیٹھ رام روپ کے ملازمین نے عورت کو پہچانا اور کہا کہ کل شب یہ ہمارے سیٹھ کے ساتھ آئی تھی۔ پولس نے بالتفصیل بیانات لے لئے۔ کوٹھی کے تمام کمرے کھلوا کر دیکھے وہاں کچھ سراغ نہ ملا۔ پولس سب انسپکٹر مایوس جانے ہی کو تھا جو خیال آیا کہ ایک نگاہ ادھر ادھر اور ڈال لے ایک غیر مستعمل کمرے کو کھلوایا گو کچھ آس نہ تھی پھر بھی چاروں طرف نظر

دو ڑائی تفتیش کنندہ کا خیال تھا کہ چونکہ رات کو وہ عورت اسی کوٹھی میں تھی اس لئے یہیں کچھ نہ کچھ بھید کھلنا چاہیئے عقدہ ملنا چاہیئے۔ اور سب کمرے تو دیکھ چکا تھا۔ اس کو زیادہ غور سے معائنہ کیا دیوار میں انگیٹھی بنی تھی جو ممبئی کی آب و ہوا میں بے کار اور بے معنی نظر آئی تاہم جرم کی جانب کوئی اشارہ نہ کرتی تھی۔ چونکہ نئی سی بات تھی اس وجہ سے طبیعت پہ قدرے جمی اور افسر نے قریب جا کر دیکھا۔ کچھ راکھ پڑی تھی جو تازی سی معلوم ہوتی تھی۔ اسے کریدا تو ایک سفید سا نیم سوختہ ٹکڑا جو رومال کا معلوم ہوتا تھا دستیاب ہوا۔ اس پہ خون آلود انگوٹھے کا نشان تھا۔ سب انسپکٹر نے اپنے قبضہ میں کیا اور باہر نکل آیا۔

سیٹھ کو دگدا تو لگی ہوئی تھی ہی۔ دوپہر کو موٹر سے جوہو کی جانب جو آیا تو کوٹھی کے باہر ہی پولس کی موٹر نظر آئی یہ اندر نہ گیا اور قریب سے پوشیدہ طور پہ ان لوگوں کی نقل و حرکت دیکھتا رہا ——— اس کے سامنے موٹر واپس گئی تب اس نے اندر جا کر ملازموں سے دریافت کیا کہ یہ موٹر کس کی تھی اور کیوں آئی تھی۔ ان لوگوں نے تمام

واقعات بیان کئے اور ایک سفید خون آلود کپڑے کے ٹکڑے کا ملنا بھی بتایا نیز یہ بھی کہا کہ اس پر کچھ انگوٹھے کا سا نشان تھا ——— نوکر جس وقت یہ سب کچھ بیان کر رہے تھے اسی دوران میں رام روپ کی آنکھوں میں کئی بار ایک خاص چمک پیدا ہوئی اور دو دفعہ ہاتھ موچھوں تک گیا۔

ملازمین سے تمام باتیں معلوم کرنے کے بعد رام روپ کوٹھی سے نکلا اور موٹر لے تھانے کی جانب روانہ ہوگیا۔ پولس اسٹیشن سے قدرے دور گاڑی روکی۔ بمبئی میں سڑک پر موٹر ہونی کوئی نئی چیز نہیں ہے وہاں تو کاریں چیونٹیوں کی طرح پھرتی ہیں۔ کسی نے ادھر اعتنا نہ کیا ——— رام روپ نے پہلے ہی یہ بھانپ لیا تھا کہ جو گاڑی اس کی کوٹھی کے باہر تھی وہ ابھی تک پولس اسٹیشن پر ہے ——— رام روپ نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کیا کرنا ہے۔ مجرم دماغ کام کر رہا تھا لیکن کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکا تھا تاہم اپنے شکاری یا شکار کو نظروں میں رکھنا چاہتا تھا اور موقعہ کے مطابق کام کر جانے پر آمادہ اسے معلوم تھا کہ اصل ثبوت سب انسپکٹر ہی کے پاس ہے وہ اگر تلف

ہو جائے تو اس کے خلاف کوئی چیز ثابت نہیں کی جاسکتی یوں بے بنیاد شبہ تو ہوتے ہی رہتے ہیں انہیں دیکھ لیا جائے گا۔

کچھ دیر بعد پولس افسر امدادی سپاہیوں کو اسٹیشن پر چھوڑ اکیلا موٹر لے کر چلا۔ رام روپ نے اپنی گاڑی قدرے فاصلہ پر رکھی۔ دیکھیں بتا رہی تھی کہ کسی گہری تدبیر میں ہے اور کچھ نہ کچھ کر گذرنے پر آمادہ ——— تھوڑی دور جانے کے بعد سیٹھ کی موٹر اصل سڑک کو چھوڑ کر ایک کٹتی ہوئی راہ پر روانہ ہوئی۔ اور اسپیڈ تیز ہوتی گئی۔ رفتار گاہ تیز کرتا گاہ کم کچھ وقت کا اندازہ سا لگاتا معلوم ہو رہا تھا حتیٰ کہ مڑتا مڑاتا ایک گلی کے نکڑ پر مین روڈ کے قریب آیا۔ اور بریک لگا دیا لیکن انجن چلتا رکھا کہ اتنے میں اصل سڑک پر آتی ہوئی ایک موٹر کے انجن کی آواز سنائی دی اور اس نے گیر میں موٹر ڈال تیزی سے باہر نکالی

——— دونوں گاڑیوں کا تصادم ہوا۔ رام روپ نے طریقہ سے ٹکر ماری تھی دوسرے کے لئے ایکسیڈنٹ تھا اس کے واسطے ارادی فعل علاوہ بریں اس کی گاڑی بھاری تھی دوسری ہلکی۔ وہ الٹ گئی۔ سب انسپکٹر جو ڈرائیو کر رہا تھا بے ہوش ہو گیا۔

سیٹھ فوراً مجروح کے پاس گیا وہ بے سُرت پڑا تھا اس نے سب سے پہلے تو اس کی جیب میں سے اپنے جرم کا خون آلود ثبوت نکال کر قبضہ میں کیا بعدہٗ ٹوٹے ہوئے ونڈ اسکرین کے شیشہ سے سب انسپکٹر کے گلے کی رگیں کاٹ ڈالیں اور سیدھا ہو لیا۔ اس کی موٹر کا بمپر اور ایک طرف کا مڈگارڈ خراب ہؤا تھا اسے فوراً ایک چھوٹی سی ورک شاپ میں درست ہونے کو دے دیا۔

پولس کو رام روپ پر شبہ ہے کچھ بازپرس بھی کی لیکن ہاتھ میں ثبوت کوئی نہ تھا اس لئے کیس بن نہ سکا اور معاملہ رفت و گذشت ہو گیا

——— رام روپ کی دولت اور پوزیشن بھی ڈھال بنی۔ اب یہ کوئی معمولی آدمی نہ تھا جس کے ساتھ پولس کسی قسم کا جبر و تشدد کر کے کچھ قبلوانے کی کوشش کر سکتی۔ سیٹھ پوری طرح واقف تھا کہ پولس پاس کوئی اس کی گرفت رہی نہیں۔ ملازمین زیادہ سے زیادہ اتنا بیان دے سکتے ہیں کہ رات کو یہ عورت سیٹھ کے پاس تھی جس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ اسے قتل بھی سیٹھ ہی نے کیا نیز نوکروں سے بیان بدلوا دینے کوئی دقت طلب امر نہ تھا۔ ہاں اگر

کہیں وہ انگوٹھے کے نشان والا رومال کا ٹکڑا پولس کے پاس رہ جاتا اور یہ اس پر قبضہ نہ کر لیتا تو پھر اس کی گردن اُن کے پنجے میں تھی اب کچھ نہیں بگاڑ سکتے جھک مار کر بلیٹھ رہیں گے۔

جب پولس نے اس سے سوالات کیئے اس نے صاف جواب دے دیا کہ آپ لوگ غلطی کر رہے ہیں قتل بغیر مدعا کوئی معنی نہیں رکھتا وہ ٹکے کی عورت میرا اس سے واسطہ کیا۔ واردات کی رات کو میرے ساتھ ایک گوہانی عورت ضرور تھی لیکن وہ دوسری تھی جو اس وقت بھی زندہ سلامت موجود ہے یہ عورت نہ میرے ساتھ تھی نہ میں اسے جانتا ہوں۔ پولس نے جب کہا کہ کیا آپ اس عورت کو پیش کر سکتے ہیں جو اس رات کو آپ کے ساتھ کوٹھی آئی تھی۔ تو جواب ملا۔ بے شک وہ میری دوست تھی جس کا نام بتانے سے فی الحال مجھے انکار ہے آپ کیس ترتیب دیں میں اپنے صفائی کے گواہوں میں اسے پیش کر دوں گا۔

پرازیکیوشن برانچ نے تمام چیزوں پر غور کیا کسی میں قانونی نکتہ نگاہ سے کوئی جان نہ پائی اس وجہ سے آگے چلانا قطعاً بے سود سمجھا

اور یہی کہا کہ ہمارے پاس ثبوت کوئی نہیں ہے۔ مقدمہ چل نہیں سکے گا۔ اگر کچھ اور ثبوت فراہم کر لئے جائیں تو کوشش کرنی سودمند ہوگی ورنہ بے کار ہے۔

سیٹھ رام روپ کے پاس اب دولت کی تو کمی تھی نہیں پس عزت مرتبت اور اقتدار کی تلاش شروع کی۔ روپیہ کے انبار جمع کر کے محض مہاجن بن کر رہنا اسے نہ بھایا شہر کے بارسوخ اور رودار افراد میں شمار کئے جانے کی تمنا دل میں پیدا ہوئی اور یہ اس کی راہیں سوچنے لگا۔ پہلی سیڑھی کورپوریشن کی ممبری تھی۔

حکومت حاضرہ کا چلن کچھ ایسا ہے کہ اپنے آپ کو گرائے بغیر پوزیشن اونچی کی نہیں جا سکتی۔ اگر چیف کمشنر صاحب بہادر سے ملنا ہو تو ان کے سرخ پوش چپڑاسیوں تک کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں ———— ہمارے ایک دوست کہا کرتے تھے کہ ایک بار علاقے کے بالادست افسر کے پاس گیا ارادہ تھا کہ یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔ صاحب بہادر بذات خود شریف النفس انسان تھے بہت اخلاق سے پیش آئے کرسی عطا فرمائی اب وہ دولہ

تو نہ رہا تھا کہ صرف کرسی نشین ہی سرکار کے سامنے بیٹھ کر بات کر سکتا تھا ورنہ سب غریب کھڑے مدعا ادا کرنے کے حق دار تھے۔ لیکن اندر جاتے ہوئے اور باہر آتے ہوئے ان کے گدھ نسل کے چپڑاسیوں کی نظریں برداشت نہ ہوئیں۔ یہ نہیں کہ دو چار روپیہ ان کو دینے مجھے گراں تھے لیکن تکلیف دہ امر اور طبیعت کے خلاف بات یہ تھی کہ وہ اس رقم کو انعام نہیں بلکہ ہم آستاں بوسوں کی جانب سے نذرانہ کے طور پر یہ انداز خسروانہ قبول فرماتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ آج حکام رسوں کی فہرست میں خال خال خاندانی شرفا نظر آئیں گے ورنہ سب نو دولتئے خودداری سے بیگانہ افراد کی وہاں رسائی ہے ——— ممکن ہے کہ کبھی زوالِ سلطنت برطانیہ کے مورخ اسباب زوال میں اس سفلہ پروارانہ فضا کو بھی بڑی حد تک وجہ انحطاط قرار دیں۔

اس دور میں یہ حقیقت نہ صرف حکام رسی کے معاملات میں نمایاں ہے بلکہ حکومت نے طرح ہی کچھ ایسی ڈالی ہے کہ ہر شعبہ میں پہلے عزت دیئے بغیر کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً سیدھی سادھی ملازمت ہی

بے لیجیئے ترقی تو بعد کی بات ہے۔ حاصل ہی کرنے کے لئے اول انٹرویو میں جائیے۔ الٹے سیدھے سوالات کا شکار بنیئے۔ بلکہ بیشتر جو آپ کا امتحان لینے بیٹھتے ہیں ان حضرات کو اتنا بھی نہیں آتا جتنا آپ جانتے ہیں لیکن کرسی پر وہ ہیں اور آپ ایستادہ' اگر کامیاب ہوئے تو کل آپ افسر بن کر بیٹھیں گے لیکن انٹرویو سے پہلے وہی لال وردی والا چپراسی آپ کو گلہ کی طرح ہانکتا ہے۔ کوئی شریف خاندانی نسلی روایات کا حامل بدقت ہی یہ چیزیں جھیل سکتا ہے اس لئے ازآں دوری بہ پر عمل کرتا ہے ——— اس وقت بھی حال کا ایک واقعہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ حکومت کے ایک بڑے افسر کی نگاہِ انتخاب بھرے پبلک جلسہ میں ایک مقرر پر پڑی وہ اسے ہر قیمت پر لینے کو تیار تھا۔ بات چیت ہو گئی معاملہ طے پا گیا انگھ بہ افسر تمام فائل مکمل کر کے یہ تحریر کر کے کہ یہ اسامی فلاں شخص کے لئے بنائی گئی ہے چھٹی پر ولایت چلا گیا یہاں ایک اور بزرگ کچھ عرصہ کے لئے اس کے جانشین ہو گئے۔ انہوں نے عنان سنبھالتے ہی وہی انٹرویو کی رسمی پخ لگائی منتخب شدہ صاحب کے

پاس خط آیا۔ یہ جوہر قابل کا حامل اسے قبول نہ کر سکا۔ اور انہیں صاف وصریح الفاظ میں جواب دے دیا کہ بندہ پرور یہ پوسٹ نہ صرف راقم کو پیش کی گئی تھی بلکہ اسی کے واسطے تخلیق ہوئی تھی اندریں حالات انٹرویو کا سوال درمیان نہیں آسکتا نیز یہ بھی تحریر کردیا کہ جو کوڑ مغز بورڈ اوف انٹرویو میں ہوں گے وہ ناچیز کی نظروں میں کوئی چیز نہیں ہیں اور ان کے سامنے امتحان دینا یہ اپنی توہین تصور کرنا ہے۔ اگر ان اصحاب کو راقم کی پبلک اسپیکنگ کا امتحان لینا ہے تو اس کی صرف ایک صورت ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ پبلک اسٹیج پر مقابلہ میں آئیں اگر جلسے سے سلامت چلے جائیں تو راقم فیل ورنہ پاس۔

حکومت ہند کے یہ حالات ہیں اس دور میں شرفا گردی وسفلہ نوازی ہے جی حضوری اور عزّت فروشی سے کام چلتا ہے خودداری راہ میں سنگ گراں ہے۔

یہ الیکشن بازی ہی لے بیٹھے جو سرزمین ہند میں انگریزوں کا لگایا ہوا پودا ہے۔ اس مرحلہ میں جناب اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے

جب ٹکے ٹکے کے کنجڑے اور بھٹیارے کی دکان پر کاسۂ گدائی ہے کہ نہ جائیں ان پر اپنی خوبیاں جتائیں پبلک کارناموں کے ڈھول نہ بجائیں جھوٹے وعدے کریں کوچہ و بازار میں بھیک مانگیں اب یہ کون گوارا کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام و کمال انتخابی جماعتیں شرفا سے خالی اور سفلوں سے پُر نظر آتی ہیں۔

بہر نوع آمدم برسرِ مطلب ہمارے سیٹھ رام روپ کے دل میں کورپوریشن کا ممبر بننے کی سمائی الیکشن کا زمانہ سر پر تھا اور کوئی خاندانی روایات شرافت نفس اور نجابتِ نسلی راہ میں حائل نہ تھی۔ یہ کمر باندھ کھڑے ہو گئے ——————— علاقہ سے چند مقابل اور بھی تھے کسی کو روپیہ دے کر بٹھا یا کسی کو دھونس سے ایک سے وعدہ کیا کہ آئندہ انتخاب میں میں تمہاری مدد کروں گا اس دفعہ مجھے ہو جانے دو ان تمام تدابیر کے باوجود سیٹھ مانک جی نے میدان نہ چھوڑا اور وہ اڑے رہے دولت کی ان کے پاس کمی نہ تھی دھمکیوں میں آنے والی اسامی نہ تھے وعدہ پر ٹلے نہیں خوشامد درآمد کارگر نہ ہوئی غرضیکہ ان پر کوئی جادو چل نہ سکا اور مقابلہ شروع ہوا۔ کینوسنگ

کی جانے لگی۔ رام روپ کی طرف سے بھی زور لگے۔ مانک جی کی جانب سے بھی کوششیں ہوئیں۔ آخرالذکر ممبئی کا پرانا رہنے والا تھا اور بااثر۔ گو ہمارے رام روپ نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے سارے چھل بٹے کیئے کوئی جتن چھوڑا نہیں لیکن حالات امید افزا نہ ہو سکے ——

اب دو روز بعد پولنگ ہونا اور ان کے ووٹر نسبتاً کم رام روپ دُم دبے سانپ کی طرح تلملاتا پھر رہا تھا پر کچھ پار بس نہ جاتی تھی۔ میدان چھوڑ کر جانا۔ اس کی خلقت کے خلاف اور ووٹر میں کئی ہزار کی کمی۔

ایک رات یہ دیوانی کتّی اور جیل کے باشی باپ کا بیٹا موٹر لے کر نکلا اور ممبئی سے دور سپیروں کی بستی میں بعد مغرب جا پہنچا ——

ان لوگوں کو بتایا کہ میں ڈاکٹر ہوں اور سانپ کے زہر سے علاج کے تجربے کرتا ہوں اگر کوئی افعی تمہارے پاس ہو تو دو لیکن زہردار ہو سم نکلا ہوا نہیں چاہیئے ایک بوڑھے سپیرے نے اپنے بھٹیے میں سے لا کر دکھایا اور کہا اس کے زہر کا اتارا نہیں ——

رام روپ کی مراد بر آئی منہ مانگے دام دے لے کر چلا آیا۔

کل الیکشن ہے رام روپ بھیس بدلے شب بھر گھومتا رہا اور

سانپ کی تھیلی جان کے ساتھ۔ مانک جی کی کوٹھی کے بہت سے چکر لگائے پہ وہاں ورکرز کی اس درجہ آرجا رتھی کہ ارادہ میں کامیابی ممکن نظر نہ آئی بہر نوع یہ لگا رہا تاک میں۔ مانک جی کی موٹر برابر بھاگی دوڑی پھر رہی تھی اور وہ کوٹھی میں بیٹھے ورکرز کی رپورٹس وصول کر رہے اور احکامات دے رہے تھے —— یہ اپنے ورکرز سے کہہ آیا تھا کہ جتنی کوشش کی جا سکتی تھی کر لی گئی اور جب تمہاری سمجھ میں آئے سو کرو میں تو بھگوان کی تپشیا کرنے بیٹھتا ہوں یہ کرسی وہی دلوائیں گے۔

صبح ہوتے رام روپ نے موڑ ہی میں فقیر کا روپ دھارا اور مانک جی کے دروازہ پہ ہو بیٹھا —— انہوں نے پولنگ پہ جانے کے لئے موٹر میں قدم رکھا اور اس نے واشنانہ چڑھے ہاتھ سے تھیلی کی ڈوری ڈھیلی کی۔ بھیک مانگنے قریب جا کھڑا ہوا۔ بے خبر مانک جی نے جیب میں سے کچھ نکال کر دیا۔ فقیر دعائیں دیتا ہوا ایک گلی میں چلا گیا۔ موٹر روانہ ہو گئی ابھی آدھے فرلانگ بھی نہ گئی تھی کہ مانک جی کے پیر میں کسی نے کاٹا دیکھا تو سانپ۔

گاڑی فوراً ہسپتال کی جانب موڑی گئی لیکن وہاں تک جاتے جاتے مار گزیدہ کی حالت خراب ہو چکی تھی انجکشن دیئے لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا اور یہ دو گھنٹہ کے اندر چٹ پٹ ہو گئے ——— پولنگ اسٹیشن پر ووٹ پڑنے شروع ہو گئے تھے جو اطلاع ملی کہ سیٹھ مانک جی سُرگ باشی ہوئے۔ ووٹنگ بند کیا گیا رام روپ بلا مقابلہ الکٹ ہو گئے۔

سیٹھ مانک جی کے گھر صفِ ماتم بچھی تھی۔ کچھ چہ می گوئیاں بھی ہوئیں خلق کا حلق کون بند کر سکتا ہے۔ سیٹھ رام روپ بھی تعزیت کو گئے بہت کچھ اظہار ہمدردی کیا نیز بھری محفل میں یہاں تک کہا کہ مجھے اس کامیابی کا لطف نہ آیا۔ ؎

اس کے ہوتے تو نہ کہتا مگر اب کہتا ہوں
لذّت عشق گئی غیر کے مر جانے سے

پس ماندگان کو تسلی تشفی دی مناسب الفاظ استعمال کئے کوشش کر کے کچھ آنسو بھی نکالے اس خلوص کو دیکھ کر لوگوں کے خیالات بدل گئے اور حقیقت بھی ہے کہ موت فطری حالات میں واقع ہوئی تھی شبہ کی چنداں گنجائش بھی نہ تھی صرف اتنی وجہ سمجھی جا سکتی کہ اس وقت

کی اتفاقیہ موت سے فوری فائدہ رام روپ کو پہنچا سو یہ کوئی بات نہ تھی۔ قضا و قدر میں کس کو دخل یہ گھڑی ٹلا نہیں کرتی ان کو یوں ہی لکھی تھی۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہ تھا کہ مانک جی کی گاڑی میں رام روپ نے سانپ چھوڑا یا چھڑوایا تھا۔

اس سب کے باوجود علی مرزا سی، آئی۔ڈی انسپکٹر کو شبہ ضرور تھا۔ چونکہ پہلے بھی گوہانی عورت کے قتل اور فوراً ہی سب انسپکٹر کے موٹر ایکسیڈنٹ میں مرجانے کی تحقیقات پر یہی متعین کیا گیا تھا۔——— گو اس وقت رام روپ کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہ آسکی۔ ثبوت نہ تھے" تاہم یہ اپنی جگہ شبہ رکھتا تھا اسی سبب سے مانک جی کی مرگِ ناگہاں کے فوری بعد اس نے رام روپ کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھی اور جب یہ عزاداری کو گیا تو یہ بھی پیچھے پیچھے جا پہنچا۔

رام روپ کو یہ پولیس افسر پوری طرح یاد تھا اور اسے وہاں دیکھ کر قدرے کھٹکا تاہم سوچا کہ شاید متوفی سے پرانی رسم ہو اور یہ بھی شریکِ ماتم ہونے آگیا ہو ——— پھر بھی مجرم دماغ بار بار نظریں اس جانب ڈلوا ہی دیتا تھا۔ علی مرزا کی نگاہیں بھانپ رہی

یقیں کہ رام روپ اس کی طرف متجسس نظروں سے دیکھ رہا ہے اس نے اپنا رویہ بالکل بے تعلق سا رکھا اور کسی حرکت سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس کا مرکزِ نگاہ ساری مجلس میں سیٹھ ہی ہے۔

جس وقت آخر الذکر روانہ ہوا اس وقت بھی گو علی مرزا کا دل چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب کرے لیکن دماغ نے روکا۔ عقل نے کہا کہ اگر یہ شخص جرائم پیشہ ہے تو اپنے فن کا بہت بڑا ماہر ہے اور شبہ ہو جانے کے بعد کسی عنوان موقع نہیں دے گا۔ انسب یہی ہے کہ اسے بالکل بے خبر رکھا جائے ورنہ قابو میں نہیں لایا جا سکے گا۔

رام روپ موٹر میں روانہ ہونے کے بعد بھی کچھ دور جا کر ایک موڑ پر رکا رہا تا کہ دیکھے علی مرزا اس کے پیچھے آتا ہے یا نہیں۔ پولس افسر گو اس کے بعد فوراً ہی روانہ نہ ہوا تاہم دوسری منزل کی ایک کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور یہ دیکھ لیا کہ سیٹھ نے موٹر روکی ہے اور بار بار مڑ کر دیکھتا ہے۔ چونکہ یہ حرکت معمولی حالات میں غیر ضروری سی تھی اس وجہ سے شک قدرے یقین میں تبدیل ہوا اور یہ رام روپ کا شبہ بالکل دور کرنے اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر قطعاً دوسری جانب

نکل گیا۔

سی۔سی۔آئی کلب کا بال روم ناچنے والوں سے کھچا کھچ بھرا ہے حسینانِ بمبئی عاشق مزاج نوجوانوں سے ہم آغوش مصروفِ رقص ہیں۔ باہر بارش ہو رہی ہے اندر تر دامنی کا دور ——— گیلی سڑکوں پر بجلی کی روشنی کچھ اس طرح پڑ رہی ہے جیسے عصمت خواہشات کے قدم چوم رہی ہو۔

ہال میں ساغر پہ ساغر خالی ہو رہے ہیں بوتلوں پہ بوتلیں ——— شیمپین نقاب پوش آتی ہے اور رندانِ لم یزل کے ہاتھوں بھری بزم میں عریاں کر دی جاتی ہے ——— عورتوں کے مرمریں سینہ حیا کی حدود سے آگے عریاں ہیں ——— ساڑیوں کے پلو کولوں پہ کس کر مغرب زدہ عشوہ فروش محبوبائیں تقلیدِ اہرمن کے لئے کمر بستہ نظر آتی ہیں ——— بینڈ بج رہا ہے موسیقی بھی دماغوں کو چڑھ رہی ہے مئے مرد افگن بھی۔

ایک میز پر ہمارا اعلیٰ مرزا ایک گوپی کو لئے بیٹھا ہے۔ اس کی آنکھیں اور بال سیاہ ہیں رنگ یورپین۔ انگریزی میموں کی طرح بولتی ہے اُردو قدرے کھڑی کھڑی —— اس معشوقۂ دل نوازو غمزہ بار کے حسن میں بھی مغرب و مشرق کا لطیف امتزاج ہے اور تخلیق میں بھی —— ان کی پیدائش کی داستان جو تا ہنوز صیغہ راز میں رہی آج ان کی طبیعت اور طینت کا پس منظر پیش کرنے کی خاطر منظر عام پر لانی پڑ رہی ہے۔

آج سے کم و بیش بیس سال پہلے کی بات ہے کہ لیڈی کارلو کے جواہرات انگلستان میں چوری گئے۔ کئی لاکھ پونڈ کی مالیت کا معاملہ تھا۔ سکوٹ لینڈ یارڈ نے۔ جتن وہ کونسا باقی ہے جو نہ کیا۔ لیکن صرف اتنا سراغ لگ سکا کہ یہ کام کسی ہندوستانی کا ہے اور یہ بھی اس طرح معلوم ہوا کہ ایک تو چور اپنی ہیٹ چھوڑ گیا تھا جس پر لاہور کی مہر تھی —— یہ بھی کوئی پکا ثبوت نہ تھا چونکہ اکثر انگریز ہندوستان میں خرید کی ہوئی چیزیں گھر ساتھ لے جاتے ہیں۔ لیکن دوسری بات جس نے اس خیال پر مہر تیقن ثبت کر دی وہ یہ تھی کہ چوری کے

کچھ ہی دن بعد لیڈی کارلو کو ایک خط ملا جس میں تحریر تھا کہ ابھی تو انتقاماً آپ کو صرف مالی نقصان پہنچایا گیا ہے آئندہ اگر ہو سکے تو اپنی جان کی حفاظت کر لیجئے۔ تاہم۔ ہم یہ گوش گزار کئے دیتے ہیں کہ اگر سارا سکوٹ لینڈ یارڈ بھی آپ کا تحفظ کرے گا اور آپ فولادی دیواروں کے پیچھے رکھی جائیں گی تب بھی ہمارے خنجر کی نوک آپ کے سینہ کے پار ہو کر رہے گی ——— اس خط کی انگریزی قدرے ہندوستانی نما تھی نیز خنجر کا ذکر بھی ہندوستان اور ہسپانیہ کی جانب اشارہ کرتا معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ انگلستان میں خنجر بازی کا زور نہیں ہے علاوہ بریں انگلینڈ میں لورڈ کارلو کی کسی سے دشمنی بھی نہ تھی ہسپانیہ کا سوال درمیان یوں نہ آتا تھا کہ وہاں لورڈ کارلو کبھی گئے ہی نہ تھے اس وجہ سے دشمنی اور دشمن کا مسئلہ اُٹھ ہی نہ سکتا تھا۔

اب لے دے کر رہ گیا ہندوستان سو لورڈ کارلو جبکہ مسٹر کارلو تھے ہندوستان میں ایک عرصہ رہے تھے اور ان کو وطن واپس آئے صرف دو سال گزرے تھے ——— تاہم لورڈ اور لیڈی کارلو کا ذہن کسی ایسے واقعہ کو مستحضر نہ کرتا تھا جو وجہ دشمنی ہو سکتا۔ اتنا ضرور تھا کہ

یہ ہندوستان میں جج تھے اور سینکڑوں مقدمات کسی کے خلاف کسی کے موافق فیصلہ کئے تھے جواب یاد بھی نہ تھے اور حافظہ فراموش کر چکا تھا اور نہ کسی ایک کی بابت کہا جاسکتا تھا کہ فلاں کیس میں ان کی قلم سے کوئی خاص زیادتی ہوئی ——— لورڈ کارلو نے موجودہ لیڈی صاحبہ سے شادی بھی اپنی پہلی اہلیہ کے گذر جانے کے بعد ہندوستان ہی میں کی تھی۔

لیڈی صاحبہ نوشہرہ نرسنگ ہوم میں کام کرتی تھیں ——— انسپکٹر نے محترمہ سے بھی سوالات کئے لیکن وہ بھی کسی دشمنی کا حوالہ نہ دے سکیں ——— بہر نوع ان دونوں کی پوری پوری حفاظت کی جانے لگی۔ ہمہ وقت بوڈی گارڈ ساتھ رہتا۔ گھر پہ بھی نگہداشت کی جاتی ہر آنے جانے والے کو ڈٹکٹو نظروں میں رکھتے ———

جواہرات کی تلاش کے سلسلہ میں تمام دکمال ہندوستانیوں پر نظر دوڑائی لیکن کہیں نگاہ ٹکی نہیں۔ کسی ایک پہ طبیعت ٹھکی نہیں۔ یوں کرنے کو اکثر کی پیروی کی گئی۔ جن پہ ذرا بھی شبہ کی گنجائش تھی ان کی نہ صرف نقل وحرکت پہ نظر رکھی بلکہ چوری کی رات کو

وہ کہاں کہاں تھے اس کی بھی معلومات بہم پہنچائی اور تحقیقات کی۔ وے کسی پہ ہاتھ ڈالا نہ جا سکا گم شدہ زیور کا پتہ لگا یا نہ جا سکا۔

یہ انگلستان تھا۔ یہاں بغیر مکمل ثبوت بہم پہنچائے کسی کو زیر حراست لینا کسی کی آزادی نقل وحرکت پہ قدغن لگا دینا ممکن نہ تھا ——— اس دنیا میں قانون کی نگاہیں مجرموں کی زنجیر پا بنتی ہیں۔ ثبوت ملنے سے پہلے انہیں پابند سلاسل آہنی نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم جرائم پیشہ جانتے ہیں کہ ہر جگہ قانون کی چشم دقیقہ رس وہمہ گیر ہر جگہ اور ہر وقت ان پہ لگی ہوئی ہے۔

انہی حالات میں ایک رات کو کوئی بارہ بجے کے قریب جب یہ زن وشوہر ایک بڑے ڈنر سے واپس آ کر موٹر میں بیٹھے تو سیٹ میں ایک خنجر گھسا ہوا ملا ——— پھلے کی نوک پر ایک انگوٹھی تھی اور ایک پرچہ۔ مقررہ ڈٹکٹو ان کی موٹر کے پس وپیش تھے وہ جمع ہو گئے۔ خنجر رومال سے پکڑ کر بعد احتیاط نکالا گیا تاکہ مجرم کی انگلیوں کے نشان اگر ہوں تو خراب نہ ہونے پائیں۔ پرچہ پہ تحریر تھا۔ شاید یہ انگشتری دیکھ کر آپ کی یاد کچھ تازہ ہو۔

انگوٹھی سونے کی تھی اور اس پر ابلیس کندہ ——— کاروان نگاہوں نے ہر چیز کو خوردبین سے بنظر غایت دیکھا لیکن کہیں کوئی پتہ دینے والے نشان نہ پائے۔ معلوم ہوا کہ کام کرنے والا کام کو جانتا بھی ہے دانستہ پہن کر خنجر کو ہاتھ لگایا گیا تھا۔ نیز انگشتری بھی ہندوستان کی بنی ہوئی تھی خنجر بھی وہیں کا تیار کردہ،

تعجب یہ تھا کہ اتنی نگہداشت کے باوجود نظروں سے بچ کر یہ خنجر کیسے لگایا گیا۔ مقررہ ڈٹکٹو تو ڈائننگ روم میں لورڈ اور لیڈی صاحبہ کی حفاظت کر رہے تھے۔ ڈرائیور کو ہدایت تھی کہ ایک سکنڈ کے لئے موٹر تنہا نہ چھوڑے۔ ——— ڈرائیور کا بیان تھا کہ وہ تمام وقت موٹر میں بیٹھا رہا صرف چند منٹ کے لئے وہ موٹر دور پرے سگرٹ سلگانے گیا تھا یہ وقفہ بیش از بیش تین یا چار منٹ ہو سکتا ہے اتنی سی دیر میں ظالم اپنا کام کر گیا۔

بہر نوع اس واقعہ کے بعد حفاظت اور بھی کڑی کی جانے لگی کاروانِ تیز نگاہ و مجرم شناس شب و روز ہمہ وقت متعین اور سایہ کی طرح ساتھ ——— موٹر اکیلی چھوڑ دیں اور دور سے نگاہ

رکھیں لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا آرزو بر نہ آئی مجرم کا پتہ نہ چلا۔

انگوٹھی کے مسئلہ نے افسرانِ سی۔آئی۔ڈی کو مجبور کیا کہ لیڈی صاحبہ سے بار بار جرح و قدح کریں چونکہ انگشتری اس جانب انگشت نمائی کرتی تھی کہ وجہ مخاصمت ہو نہ ہو محترمہ ہی ہو سکتی ہیں۔ طریقہ قرینہ سے سب طرح کے سوالات کئے گئے تاہم یہ کچھ نہ قبولیں۔ کوئی پتہ چل نہ سکا کچھ راہ مل نہ سکی۔

محترمہ کا کہنا تھا کہ لورڈ کارلو سے شادی کے قبل وہ نرس تھیں۔ جہاں یہ مامور تھیں وہاں صرف انگریز مریض لئے جاتے تھے از آں جملہ لورڈ کارلو بھی جو اس وقت صرف مسٹر کارلو تھے وہاں داخل ہوئے اور یہ ان کی خدمت پر لگائی گئیں ——— کسی ہندوستانی سے کبھی کسی قسم کا واسطہ ہی نہیں پڑا بازار میں دکانداروں سے ضروریات کی چیزیں بے شک خریدتی تھیں۔ نیز نرسنگ ہوم میں نچ کے ملازمین اور کلارکس ہندوستانی ہی تھے۔ اوّل تو ان کا اسٹاف سے کوئی خاص واسطہ نہ تھا بہ ایں ہمہ ان کو میٹرن کی ہدایت تھی کہ ملازمین سے خوشگوار برتاؤ کریں اور بہ سختی سے اس پر کاربند رہیں ——— نرسنگ ہوم

کی ملازمت سے پہلے یہ ایل۔آر ہوسپٹل پشاور میں کام کرتی تھیں لیکن وہاں لیڈیز وارڈ میں تھیں اور ان کا رویہ تمام و کمال مریضوں کے ساتھ ہمدردانہ ہی رہا ——— سکوٹ لینڈ یارڈ نے ان دونوں متذکرہ بالا اداروں سے ان کے سروس رکورڈ طلب کئے لیکن ان سے بھی کوئی راہ ملی نہیں۔

ان تمام چیزوں کے باوجود پولس افسران کا بھی خیال تھا اور لورڈ کار لو کا بھی کہ لیڈی صاحبہ اپنی گزشتہ زندگی کے کچھ واقعات چھپا رہی ہیں ——— چونکہ لورڈ کار لو کا صاف وصریح بیان تھا کہ ان کی ہندوستان میں کبھی کسی سے دشمنی نہیں ہوئی ——— حقیقت یہ ہے کہ انگوٹھی پوری طرح طبیعت کو اس جانب رجوع کر رہی تھی کہ دل کے معاملات درمیان ہیں اور مسماۃ وجہ عناد۔

ان حالات نے زن وشوہر کے تعلقات کشیدہ کر دیئے ——— عمروں میں تفاوت تھا ہی لارڈ کار لو ساٹھ سے متجاوز تھے اور محترمہ صرف پچیس کی اس کشاکش کی بنا پر دونوں الگ الگ کمروں میں سونے لگے اور ازدواجی زندگی قدرے ناہموار سی ہو گئی۔

ایک روز صبح جب حسب دستور بٹلر لورڈ کارلو کے بڈروم پہ مورننگ ٹی لے کر پہنچا اور دستک دی تو کوئی جواب نہ ملا اس نے لیڈی صاحبہ کی میڈ سے کہا اس نے محترمہ تک بات پہنچائی وہ ڈریسنگ گاؤن پہنے ہوئے بڈروم سے برآمد ہوئیں ——————

یہ بیوی تھیں انہیں بڈروم کا دروازہ کھول کر اندر جانے کا حق پہنچتا تھا۔

کمرہ میں قدم رکھتے ہی شوہر کا بستر اور قریب کا فرش خون آلود نظر آیا اور سینہ میں خنجر اتنی دیر میں محافظ پولس افسر بھی آن پہنچے لورڈ کے سینہ میں خنجر پیوست تھا اور ایک پرچہ تھی جس پر صرف یہ الفاظ تحریر تھے۔ لیڈی کارلو کی نذر۔

اب اس میں تو شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی کہ ان تمام وارداتوں کی ذمہ دار لیڈی صاحبہ ہی ہیں اور کوئی نہیں —————— لندن کے تمام و کمال اخبارات کی سرخیاں یہی قتل تھا۔ اعلیٰ ترین افسران نے ایک ایک چیز کو بغور دیکھا اور معائنہ کیا لیکن کہیں کسی قسم کا نشان نہ

پاپا یا ہاں کمرے کی کھڑکی کے نیچے باغ میں شیر کے پنجوں کا کھوج نظر آتا تھا اور ان کا تسلسل باغ کی دیوار سے کھڑکی کے نیچے تک سلسلہ وار پایا جاتا تھا ——— اندر جہاں سے شیر کے پنجہ شروع ہوئے تھے ٹھیک اسی کے متوازی دیوار کے باہر سائیکل کے نشان آکر ختم ہوئے تھے ——— اس کے معنی یہ تھے کہ قاتل سائیکل پہ آیا اور دیوار پہ سے اندر داخل ہوا ———
محافظین کا بیان تھا کہ وہ رات کے بارہ بجے لورڈ کارلو کے ہمراہ کوسموپولٹن کلب سے واپس آئے اور اپنی اپنی ڈیوٹی پہ ہو بیٹھے۔ ڈکٹوہ ز کے تمام مقاماتِ نشست ایسے تھے جہاں سے کوٹھی کا کوئی کونہ ان کی نشست سے بچتا نہ تھا ہر ایک رخ ایک نہ ایک کی نگاہ میں رہتا۔

اب سوال یہ تھا کہ اگر قاتل لورڈ کارلو کے گھر آنے سے قبل کہیں چھپ بیٹھا تھا تو سائیکل کہاں غائب کی اور پھر سب کی نظروں سے پوشیدہ واپس کیسے گیا۔

بہر نوع تحقیق و تفتیش شروع ہوئی ۔ اسکوٹ لینڈ یارڈ نے ایڑی

چوٹی کا زور لگا لیا۔ ان کے نام نیک کا سوال درمیان تھا۔ دونوں جرم ایک ہی شخص نے کیے تھے اور یہ اب تک اسے گرفت میں لا نہ سکے تھے آزاد پھر رہا تھا —— انجام کار افسران کی یہ رائے ہوئی کہ ہندوستانیوں میں گھس کر اس کا بھید چل سکے تو چل سکے۔ اس تخئیل کے تحت گورنمنٹ اوف انڈیا سے ایک سی۔ آئی۔ ڈی افسر طلب کیا گیا۔

حکومت ہند کی نگہ انتخاب نوعمر داؤ گل پر پڑی اس جواں سال پٹھان افسر نے قلیل عرصہ میں اپنی کارکردگی اور تیزی طبع نیز چشم دور بیں و دقیقہ رس کی وجہ سے اپنے واسطے محکمہ میں ایک مقام پیدا کر لیا تھا۔

گورنمنٹ کا کام سی۔ آئی۔ ڈی افسر کا معاملہ منٹوں میں پاس پورٹ تیار ہو گیا اور ہمارے داؤ گل نے سکوٹ لینڈ یارڈ میں پہنچ اپنی حاضری درج کرا دی —— جن افسران کے سپرد لیڈی صاحبہ کے جواہرات کا مسئلہ اور لورڈ کارلو کے قتل کا معاملہ تھا ان سے اس ہندوستانی افسر کا تعارف کرا دیا گیا۔

ڈاوڈگل نے سارا معاملہ سمجھ لینے کے بعد افسران سے کہا کہ میں موقع دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیس کا انچارج اپنے ساتھ لے گیا۔ پہلے لیڈی صاحبہ سے ملایا ——— ڈاوڈگل مہذّب تعلیم یافتہ حسین نوجوان . . . . سُرخ و سفید رنگ۔ کٹیلے نقش ونگار۔ کتابی چہرہ۔ بڑی بڑی دوربین پشاوری آنکھیں سنہری بال کشادہ پیشانی۔ متناسب جسم میں چیتے کی سی لچک لمبی بلّوریں گردن۔ موتی کے سے دانت۔ محترمہ تپاک سے پیش آئیں اور کہا مجھے یقین ہے آپ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں گے۔ اس نے مناسب جواب دیئے۔ تھوڑی دیر باتیں ہوتی رہیں ——— لیڈی کارو بھی حسینانِ فرنگ میں ایک مقام رکھتی تھیں۔ لورڈ کارو نے آنکھیں بند کر کے تو ایک نرس کو اپنی شریکِ حیات نہیں بنا لیا تھا ——— دہن گلاب کا غنچۂ ناشگفتہ تو آنکھیں چشم دیدہ دریں آہوانِ ختن کی یاد تازہ کریں ——— بھویں سرمہ کی ہلالی تحریر۔ چاہِ زنخداں کے آگے حُسنِ یوسف پانی بھرے ——— گورے رنگ پر سیاہ لباس پھر مغربی سنگار کپڑوں کی تراش خراش۔ غرضیکہ یہ دل نوازِ سویدائے

قلب پر ناخن زنی سی کرتی محسوس ہوتی تھی۔

بہر نوع لیڈی صاحبہ سے گفتگو کے بعد داؤد گل نے پہلے تو کمرے کا معائنہ کیا پھر باغ پر نظر ڈالی اس کے بعد پہلا سوال ساتھی سے یہی کیا کہ اتنے عرصے سائیکل کہاں رہی اور قاتل واپس کیونکر گیا جبکہ چاروں کونوں سے نگاہ داشت کی جا رہی تھی ——— سی۔ آئی۔ ڈی افسر نے جواب دیا کہ یہی معمہ اب تک نہیں کھلا اور نہ مجرم ہی کا پتہ چل سکا ہے ——— دونوں خنجر یہ پہچان گیا۔ فوراً بول اٹھا یہ تو پشاور کے بنے ہوئے ہیں۔ نیز زخم کی تفصیل سننے کے بعد حکم لگا دیا کہ کسی نہ کسی آفریدی کا ہاتھ ہے۔ اتنی صحیح خنجر زنی کوئی اور کر ہی نہیں سکتا۔

داؤد تھوڑی دیر کمرے میں ٹہلتا رہا۔ چہرہ پر سخت غور و فکر کے آثار نمودار تھے پھر سکوٹ لینڈ یارڈ کے ہمراہی سے کہا کہ میں آفریدی ذہنیت طبیعت اور ان کے خصائل کو سامنے رکھ کر یہ عقدہ مشکل حل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ قاتل نے سائیکل کہاں چھپائی ہو گی اور کس راستے سے گیا ہو گا۔ اب داؤد نے ایک بار اور باغ کا معائنہ کرنے کی

خواہش ظاہر کی۔ ساتھ ہی۔ بولا کہ اب یہ کیس کلیتاً آپ کے حوالہ ہے جو چاہئے سو کیجئے۔ ہم ہر قسم کی امداد اور مشاورۃ کے لئے ہمہ وقت موجود ہیں باقی مکمل آپ کو اختیار ہے۔

اتنا کہہ وہ تو ایک اور ڈیوٹی پر روانہ ہو گیا ——— داؤد کی واپسی کا ذمہ لیڈی صاحبہ نے لیا اور کہا میں اپنی کار میں بھیج دونگی ——— اس کارواں نے باغ کا چپہ چپہ دیکھا۔ ایک ایک درخت کے نیچے رُکا . . . دیواروں کو نہ صرف آنکھوں سے دیکھا بلکہ ہاتھوں سے بھی ٹٹولا ——— ایک بلند درخت پر چڑھ کر اس کی ایک ایک شاخ کو نگاہیں گڑو گڑ کر دیکھا ——— ایک جگہ کچھ رگڑ کے نشان اور کالی وارنش کے ہلکے سے دھبے نظر آئے ——— جتنی دیر یہ اپنے کام میں مصروف رہا لیڈی صاحبہ کھڑکی کے پردے کے پیچھے سے دیکھتی رہیں۔ جونہی دروازے کے باہر اس کی چاپ سُنی اور پھر دستک تو نہایت بے تعلق انداز سے ایک کتاب لے بیٹھیں اور جواب میں کہا۔ آجاؤ۔

داؤد نے رخصت چاہی اور موٹر طلب کی۔ چونکہ چاء کا وقت

ہو گیا تھا اس وجہ سے بیگم صاحبہ نے کہا کہ چائے پی کر چلیے جایئے گا
داؤد شکریہ ادا کر بیٹھ گیا سچ یہ ہے کہ اس کا بھی ابھی ان کے پاس
سے جانے کو دل نہ چاہتا تھا اور یہ پیش کش غنیمت معلوم ہوئی ——
شائستہ بٹلر نے میز سجائی محترمہ نے اپنے ہاتھ سے پیالی بنائی ——
انگلستان کے بٹلرز اپنے طور طریقہ، اپنی ادا اور شائستگی کی بنا پر سوسائٹی
میں ایک خاص شہرت کے مالک ہیں اور پھر بٹلر بھی ایسے رئیس گھرانہ
کا کٹ پتلی کی طرح کام کر رہا تھا نظر زمین پر تھی لیکن سب کچھ دیکھتا
جاتا۔ آقا اور مہمان کی ہر ضرورت کا پہلے سے اندازہ کرتا۔ چہرہ پر
کوئی اکسپریشن نہیں۔ ہونٹ بند۔ انگلیاں سدھی ہوئی۔ قدم نپے ہوئے
—— داؤد کچھ دیر کو انگلش سماج کی اس تخلیق کو دیکھتا رہا۔
لیڈی صاحبہ نے بھی محسوس کیا بٹلر بھی جان رہا تھا لیکن کیا مجال جو
اس کے چہرہ میں کوئی کسی قسم کا ذرہ برابر فرق آیا ہو۔
دوران گفتگو میں لیڈی کارلو نے دریافت کیا کہ آپ کس نتیجہ پر پہنچے
اس سے پہلے کہ داؤد لب کھولے۔ بٹلر ایک خاص ادا سے "تابہ کمر جھکا
اور کمرے سے باہر چلا گیا —— اب داؤد نے کہا کہ سائکل جہاں

چھپائی گئی تھی اُس کا تو پتہ چل گیا۔ قاتل کے یہاں سے فرار ہونے کی بابت میرا خیال ہے کہ وہ تمام شب آپ کے باغ میں ہی رہا صبح جب سب بڈ روم میں تھے وہ چپکے سے چلا گیا اسی وجہ سے کسی نے دیکھا نہیں۔

میں جانتا ہوں کہ پٹھان میں زیادہ سے زیادہ خود اعتمادی ہوتی ہے اور وہ جرم کرنے کے بعد بغیر سوچے سمجھے مقام واردات سے بھاگا نہیں کرتا بلکہ صحیح اور مناسب موقع کا انتظار کرتا ہے نیز گھر جانے پر مدافعت کے لئے آمادہ رہتا ہے لیکن بوکھلا کر اندھا دھند ارتکاب جرم کے بعد بھاگتا کبھی نہیں اس ذہنیت کو سامنے رکھ کر میں نے باغ پر نظر ڈالی اور اب تک خاطر خواہ نتائج تک پہنچا۔

لیڈی صاحبہ نے دریافت کیا کہ قاتل نے سائیکل کہاں چھپائی تھی داؤد نے کھڑکی میں سے اس درخت کی جانب اشارہ کیا جس پر وارنش کا نشان ملا تھا اور کہا یہی وجہ ہے کہ پیّوں کے نشان باغ کے اندر کہیں نہیں ملتے ——— انگلستان میں صبح دیر تک دھندلکا رہتا ہے۔ وہ اندھیرے میں نکل گیا خصوصاً اس وقت جب کہ سب جاقتہ

کی جانب متوجہ تھے۔ یہ اور احتیاط برتی کہ بجنسہٖ باغ کے لونز پر سے گذرا جہاں سائکل اور قدم کے نشانات رہ نہ سکیں۔ جہاں کہیں بھی ایسی جگہ سے گذرنا پڑا جہاں گھاس نہ تھی تو سائکل زمین سے ادھر کرکے گزر گیا۔

لیڈی صاحبہ کی نگاہیں اس نوعمر ہندوستانی کی عقل و دانش پر عش عش کر رہی تھیں ——— چاء پینے کے بعد داؤد اجازت خواہ ہوا ——— پورٹکو میں نہایت شاندار موٹر کھڑی تھی اس میں سوار ہوا اسکوٹ لینڈ یارڈ پہنچا۔ وہاں ساری رپورٹ دی اور اپنی رائے پیش کی۔ افسر نے کارگزاری اور چشم رسا اور ذہن عقدہ کشا کی داد دی اور کہا سچ یہ ہے کہ ہمارا خیال بھی اس جانب نہیں گیا تھا۔ اس نے جواب میں کہا کہ آپ لوگوں کی طبیعت کا ادھر منتقل نہ ہونا صرف اس وجہ سے تھا کہ آپ پٹھان ذہنیت سے آشنا نہیں اور میں نہ صرف اس علاقہ میں کام کرتا ہوں بلکہ انہی میں سے ایک ہوں بھی۔

اس گفتگو کے بعد داؤد اجازت لے اپنے ٹھکانے پر آیا اور رات

کو سوچتا رہا۔ یہ چاہتا تھا کہ یہاں سے سُرخ رو جائے اس وجہ سے ہر پہلو پہ غور و خوض کیا آخر میں اس نتیجہ پہ پہنچا کہ کچھ بھی ہو خواہ لیڈی صاحبہ قبولیں یا نہ قبولیں کسی نہ کسی پٹھان سے ان کے دلی معاملات رہے ضرور ہیں اور یہ سب اسی کے نتائج ہیں ——

اسکوٹ لینڈ یارڈ کے عہدہ داران سے اس پہلو پہ گفتگو ہوئی تھی انہوں نے یہی کہا کہ لیڈی صاحبہ کا بیان ہے اور انہیں اسی پر اصرار کہ کبھی کوئی اس قسم کا سلسلہ نہیں ہوا۔ نیز ان کی تردید کے لئے ہمارے پاس کوئی بین ثبوت ہے نہیں وہ کہتی ہیں کہ پہلے پشاور کے لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں کام کرتی تھیں لیکن لیڈیز وارڈ میں بعدہٗ نوشہرہ نرسنگ ہوم میں مامور ہوئیں جہاں کوئی ہندوستانی مریض لیا ہی نہیں جاتا تھا۔ ان باتوں کی تحقیق فرنٹیر سے کر لی گئی علاوہ برایں وہاں کی رپورٹ بھی خاص ستھری ہے کوئی ایسی ویسی بات نہیں پائی جاتی۔

اس تحقیقات کے دوران میں لیڈی صاحبہ اور داؤدگل کا اکثر ملنا ہوتا رہتا تھا وہ ہر بار بہت اخلاق سے پیش آئیں دیر دیر تک باتیں بھی ہوتی رہیں لیکن داؤد نے اپنے اس شبہ کو ان پہ کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس موضوع پہ سوالات تو در کنار ذکر بھی درمیان نہ لایا۔ تاہم اسے یقین تھا اور اپنی تفتیش کی بنیاد اسی نظریہ پر رکھی ——————

سکوٹ لینڈ یارڈ کے افسران سے بھی تبادلہ خیالات ہوا وہ سب ہمخیال تھے۔

اوّل تو داؤد گل نے تمام و کمال نووارد پٹھانوں کی فہرست حاصل کی بعدہٗ تمام دن ہوٹلوں کا چکر لگایا جہاں ان لوگوں کی آمد جاری تھی۔ سب آنے جانے والوں پر نظر ڈالی کہیں نگاہ نہ جمی دل نہ ٹھکا ——————

اوکسفرڈ کا بھی دورہ کیا کیمبرج کا بھی۔ سکوٹ لینڈ یارڈ سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ لندن اور لندن کے قرب وجوار میں رہنے والے پٹھان شب واردات پہ کہاں کہاں تھے۔ اس سے بھی کہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہ ملی ہاں ایک شیر خاں نامی پٹھان کا کہیں پتہ نہ چلا وہ انگلستان میں ضرور تھا لیکن اب مفقود الخبر۔ لیکن مزید تفتیش پہ معلوم ہوا کہ فرانس گیا تھا اور پھر

وہاں سے واپسی کی کوئی اطلاع نہیں۔

اس دوران میں لیڈی صاحبہ سے رسم وراہ بڑھتی گئی۔ساتھ چاۓ نوشی کے بعد نوبت شراب نوشی تک آگئی ———— ایک طرف تفتیش جاری تھی تو دوسری جانب بزم آرائیاں۔تاہم داوڈ بنیٹر وقت اپنے کام کی انجام دہی میں خرچ کرتا۔اس کے دل سے لگی تھی اور خیال تھا کہ نہ صرف اس کی شہرت کا سوال ہے۔بلکہ ہندوستانی خفیہ پولس کی نیک نامی کا بھی مسئلہ درمیان۔ اگر یہ کامیاب ہوا تو ولایت والوں کی نگاہ میں سارے محکمہ کی پوزیشن بلند ہو جائیگی اسی وجہ سے شب و روز ہمہ وقت منہمک رہتا۔

جتن وہ کرنا باقی تھا جو کیا نہ گیا لیکن سراغ نہ ملنا تھا نہ ملا۔

آخر کار اس نے افسران سے درخواست کی کہ یہ انڈر ورلڈ سلمز یعنی دس نمبر یہ علاقہ میں گھس کر تحقیقات کرنی چاہتا ہے۔ممکن ہے قاتل کا وہاں پتہ چلے . . . . محکمہ نے تمام سہولتیں بہم پہنچائیں۔وہاں کے طور طریقہ نشیب و فراز سمجھا دیے۔نیز احتیاطاً دس پانچ بار سادہ لباس میں سپاہی ساتھ گئے . . . اس کے بعد یہ خود آنے جانے لگا

——— یہ بھی عجیب دنیا تھی۔ ہر قدم پہ پستول۔ ہر شخص منہ ٹیڑھا کر کے دہن بگاڑ کر بات کرے۔ دانتوں کے نیچے چیونگ گم دبی ہوئی ہونٹوں میں سگرٹ اڑا ہوا سب کے چہروں پہ ایک ہی ایکسپریشن ایک ہی برتاؤ ——— عورتیں مردوں کی طرح چلتی نظر آئیں ان کی اسٹوکنگز میں پستول دیکھے ——— سرِ راہ قتل ہو جائے راہ گیر قطعاً بے تعلق نکل جائیں گے ——— عورت مرد ایک دوسرے سے متصادم دست و گریبان دیکھے۔ کوئی بیچ بچاؤ کرتا نہ تھا۔ لڑنے والے جانیں ان کا کام جانے۔ کسی رابا کسے کا رے نیست کی نقاب افعال و اعمال پہ لیکن اس کے باوجود سب ایک دوسرے کے رتی رائی حالات سے باخبر خصوصیات سے آشنا۔

کچھ عرصہ بعد ہوٹل ریسٹوران والے اسے جان گئے دو چار لڑکیوں سے رسم و راہ ہو گئی ——— یہ جہان زیریں لندن کی انڈر ورلڈ پٹھانوں سے ناآشنا نہ تھی۔ یہ مردان کوہی۔ درّوں کے باشندہ۔ رائفل کے دھنی چاقو کے ماہر یہاں بھی نظر آجاتے گو خال خال ہی سہی ——— داؤد نے سب کو بھانپا ایک ایک کو بنگاہِ غور

دیکھا - ان کا پیچھا کیا۔ وہ جرائم پیشہ ضرور تھے لیکن لورڈ کار لوکا قاتل ان میں کوئی نظر نہ آیا۔

اسی تجسس اسی تلاش میں سرگرداں تھا کہ ایک رات کو یہ ایک اسپیک ایزی' آہستہ بولو' رسٹوران میں بیٹھا تھا۔ یہ نام ولایت میں اس مقام کو دیا جاتا ہے جہاں ہر بات بیشتر اشاروں میں کی جائے یا کم از کم بہت آہستہ آواز میں۔ چونکہ یہاں کا ہر لفظ کسی نہ کسی جرم کی خبر دیتا ہے یا اس کا پیش خیمہ ہوتا ہے ——————

قاتل - ڈاکو - چور - اٹھائی گیرے - قطاع الطریق - رہزن یہاں مے و مہ رو عیش و نشاط - حسن و خمار کی تلاش میں آتے ہیں . . .

اس جگہ پھٹی ہوئی جیبوں میں سے لاکھوں کے نوٹ بر آمد ہوتے ہیں۔ اور کوئی پوچھتا نہیں کہ کہاں سے آئے —————— قانون ان مقامات پر آتا ہے مگر کانپتا ہوا - بصد احتیاط - نمایندگان عدل و انصاف یہاں قدم رکھتے ہیں۔ وے بھیس بدل کر انہی میں کے ایک بن کر پھر بھی ڈرتے ڈرتے۔

غرضیکہ اس شب بھی یہاں حسب دستور ساری میزیں بھری ہوئی

تھیں۔ ہر جگہ ایک دو عورتیں ایک دو مرد۔ داؤد بھی بھیس بدلے ہوئے ایک کونے کی میز پر جا بیٹھا ——— یہاں کی پیشہ ور زنان مرد شکار کسی کو تنہا رہنے نہ دیتی تھیں۔ ان کو تنخواہ اسی بات کی ملتی تھی —— تعارف کے لئے ابنِ آدم و بنتِ حوا ہونا کافی تھا۔ ہاں جیب میں نوٹ بنگل پاس پورٹ ضروری۔ داؤد بھی زیادہ دیر اپنی میز پر بغیر ساتھی کے رہا نہیں ایک جیب تراش محبوبہ مستانہ خرامی سے آن اس کے برابر ہو بیٹھیں ——— ابھی یہ دونوں گرم گفتار ہوئے ہی تھے کہ سب نگاہیں دروازہ کی طرف گئیں۔ ایک حسین نیلگوں چشم نوعمر و خوش رو آتا نظر آیا۔ داؤد کی نظر اس پر پڑی۔ فرنٹیر کا خون رخساروں میں نظر آیا، ورہ خیبر کی دلکش نگاہوں میں۔ لیکن برابر کی میز پر سے ایک عورت کے یہ الفاظ سنائی دیئے۔ ہلو سانیال آگیا۔ نظر کہے پٹھان ہے۔ کانوں کی شہادت سوئے بنگال لئے جائے۔ داؤد نے اس نووارد کی بابت اپنی میز والی سے کچھ پوچھا نہیں چونکہ اس دنیا کے دستور کے خلاف تھا۔ یہاں کوئی کسی کی بابت کچھ دریافت نہیں کیا کرتا۔ ورنہ فوراً مشتبہ نظروں سے دیکھا جانے لگتا ہے ——— ساتھ والی نے خود ہی کہا کہ

یہ سانیال ہے ہندوستان کا باشندہ بے جگر انسان ہے اور تنہا کار یہاں کی اصطلاح میں "تنہا کار" اس جرائم پیشہ کو کہتے ہیں جو اپنے کاموں میں کسی کو شریک اور راز دار نہ بنائے بلکہ یکہ و تنہا مارے ——— یہ بھی معلوم ہوا کہ روپیہ بے دریغ خرچ کرتا ہے۔ پیسہ کو پیسہ نہیں سمجھتا یہ سب لاتا کہاں سے ہے کچھ پتہ نہیں ——— داؤد کی ساتھن گرم گفتار تھی عورت کی خصوصیت ہے کہ جب بولنے پر آئے تو کہنی ان کہنی سب اگل دیتی ہے پھر کچھ سوچتی نہیں، بولی۔ تعجب خیز امر ہے۔ ورنہ جو حقائق پولیس پر برسوں میں آشکار ہوں یہاں وقوع میں آنے سے پہلے معلوم ہوتے ہیں۔ تنہا کار اس دنیا میں اور بھی بہت سے ہیں لیکن ان کے راز ہم سے پوشیدہ نہیں۔ مثلاً ڈک جون جو سامنے میز پر بیٹھا ہے آج بیس سال سے برسر کار ہے پر اس وقت تک کسی کو اپنا شریک کار نہ بنایا تاہم جو بھی ہاتھ یہ مارتا ہے وہ ہم لوگوں کو معلوم ضرور ہو جاتا ہے ———

ابھی کچھ عرصہ ہوا لیڈی کارلو کے جواہرات چوری گئے ہمارا شبہ اسی پر تھا لیکن بعد میں معلوم ہو گیا کہ اس کو کوئی دخل نہ تھا۔

لیڈی کارلو کے جواہرات کا نام سن کر داؤد کے کان کھڑے ہوئے مگر

کوئی سوال کرنا اپنے کو مشتبہ کر دینا تھا اور جس کے معنی یقینی موت تھے۔ داؤد کے پاس اس بولتی مینا کی زبان تیز کرنے کا بس ایک ہی طریقہ تھا جو یہ بدرجۂ اتم استعمال کر رہا تھا یعنی اسے پگ پہ پگ اور جام پہ جام پلائے جا رہا تھا۔

داؤد کی نظریں سانیال پہ تھیں اور کان اپنی میز کی ساتھی کی جانب بار بار گلاس آتے اور خالی ہو کر جاتے جب ہوئے قریب آتا سلسلہ گفتگو رک جاتا جب چلا جاتا پھر وہ گرم گفتار ہو جاتی ——

داؤد کی ساتھن کا نام میبج تھا اس نے لیڈی کارلو کے جواہرات کی بابت اور کچھ نہ کہا ہاں اتنا استعجاب ضرور ظاہر کیا کہ اس لمحہ تک بھی انڈر ورلڈ میں چور کا علم کسی کو نہیں —— داؤد نے نہایت بے تعلق انداز میں کہا کہ لورڈ کارلو بھی تو قتل ہو گئے اس پہ میبج بولی کہ یہ دونوں کام ایک ہی شخص کے ہیں لیکن وہ فرد اب تک ہماری نظروں سے بھی پوشیدہ ہے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک نہایت حسین لڑکی بہ انداز مستانہ لغزیدہ پائی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ سانیال نے اُسے اپنے زانو پہ

بٹھا لیا۔ میچ بولی یہ ریٹا ہے سانیال کی منظورِ نظر گذشتہ دو ماہ میں یہ شخص اس چھوکری پر کم از کم پانچ سات ہزار پاؤنڈ خرچ کر چکا ہے۔ نہیں کہا جا سکتا یہ دولت کہاں سے آئی ابھی تک یہ عقدہ کھلا ہی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد سانیال کے قریب کی میز خالی ہوئی اور داؤد میچ کو لے کر چلنے کے ارادہ سے اٹھا۔ دروازے تک گیا۔ پھر کہا تھوڑی اور پی لیں میچ کو اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے تھا چونکہ ایک طرف پینے کو مل رہی تھی تو دوسری جانب گاہک کے بل میں اس کی کمیشن شریک ——— دونوں دروازے سے لوٹے اور داؤد لڑکھڑاتا ہوا سانیال کے برابر والی خالی میز پہ بیٹھ گیا۔

بوئے کو شمپین کا حکم دیا گیا۔ داؤد پہلے بھی اچھی خاصی پی چکا تھا اب شمپین کی مہر لگی پس اسے نشہ میں ہو جانے کا حق حاصل تھا۔ جس کی ابتدا قدرے بہ آواز باتیں کرنے سے ہوئی نیز ہاتھ بھی اِدھر اُدھر پھینکنے لگا ایک بار اپنا گلاس ہاتھ میں لے کر صرفِ گفتار ہوا اور گلاس قریب بیٹھے ہوئے سانیال پہ گرا دیا۔ اس کے منہ سے غیر ارادی طور پہ پشتو کی گالی نکلی۔ داؤد نے یہ ظاہر کیا کہ وہ کچھ نہ سمجھا اور انگریزی میں معافی چاہی ———

اس لغزشِ رندانہ سے یہ مطلب تھا کہ سانیال کے مُنہ سے اچانک کوئی لفظ نکل جائے —— یہ اپنا مدعا پا تھوڑی دیر بعد میج کا سہارا لے اُٹھ کر چلا گیا۔

داؤد کو شبہ نہیں یقین تھا کہ سانیال ہی لورڈ کارلو کا قاتل ہے تاہم سکوٹ لینڈ یارڈ کے افسران پر ظاہر کرنے سے پہلے مزید چھ تحقیق کا طالب —— اب لیڈی کارلو سے اس کی رسم و راہ بہت کچھ بڑھ چکی تھی کہ ایک روز باتوں باتوں میں کہنے لگا آپ نے کبھی انڈر ورلڈ کی بھی سیر کی ہے انہوں نے مسکرا کر نفی میں جواب دیا۔ تبسم کہہ رہا تھا کہ اکیلے ایک لورڈ کی بیوی کو اس دنیائے اسفل سے کیا واسطہ —— داؤد نے خواہش ظاہر کی کہ ایک بار اس کے ساتھ چل کر دیکھیں کہ وہ بھی کیا عالم ہے۔ ایک تو لیڈی صاحبہ اس کی بات ٹالنی نہیں چاہتی تھیں دوسرے عورت میں مادہ تجسس قیامت کا ہوتا ہے ہر نئے تجربہ کے لئے بے قراری سے تیار ہو جاتی ہے بہرکیف یہ رضا مند ہو گئیں —— داؤد نے یہ بھی کہا کہ وہاں کی عورتوں کے سے کپڑے پہن کر آپ قیامت بن جائیں گی۔ یہ صحیح کہ آرائش و زیبائش

ہیں ویسے بھی آپ کا جواب نہیں لیکن اندازِ مستانہ اور طرزِ بے پروایانہ کچھ اور ہی ادا کے حامل ہیں۔

جس وقت قدرے گہری سرخی زیبِ رخسار کر کچھ پھیلی ہوئی لپ اسٹک ہونٹوں پہ لگا والہانہ انداز سے شوخ رنگ اسکارف لپیٹ آنکھوں میں سرمۂ دنبالہ دار دے دانتوں میں چوئنگ گم دبا ان بیگم نے اپنے کو آئینہ میں دیکھا تو خود ان کی نظریں بلائیں لینے لگیں۔ داؤد کا کیا پوچھنا اس کا تو ہر بُن مو کہہ رہا تھا کہ ؎

بسانِ شکل تو بت کمتر آفرید خدا
ترا کشیدہ ودست از قلم کشید خدا

گھر سے تو یہ جوڑا اپنی موٹر میں نکلا لیکن کچھ دور بعد یہ شاندار گاڑی چھوڑ ایک ٹیکسی لے لی اور ایسٹ انڈ کی جانب روانہ ہوئے ——

داؤد بھی اس غیر رسمی لباس میں نہایت نظر فریب و دیدہ زیب نظر آ رہا تھا۔ اس کا چوڑا سینہ پتلی کمر اور لوچ دار بدن ان کپڑوں میں عجیب جرأت و رندی کے حامل تھے۔

اس ہندوستانی افسر نے اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا کہ سانیال روزانہ

بلا ناغہ شام کو ریٹا کے ساتھ ہو کر ریسٹوران میں آتا ہے یہ باز نژاد وجرہ خصال بھی اپنی کنجشک شہ باز گیر کو لے وہیں جا براجا ——— لیڈی کارلو کو ایسی سیٹ پر بٹھایا جہاں سے دروازہ سامنے تھا اور خود کچھ اس طرح بیٹھا کہ سب پر نظر رکھ سکے۔ دو پگ اور ڈر کئے دور چلنے لگا کہ اتنے میں دروازہ کھلا اور سانیال داخل ہوا ——— داؤد نے اس وقت لیڈی صاحبہ کی جانب تو نہ دیکھا تاکہ انہیں شبہ نہ ہونے پائے ہاں سامنے والے آئینہ پہ نظریں جمالیں جہاں محترمہ کے رخ روشن کا مکمل عکس پڑ رہا تھا۔ نیز چہرے کے بھاؤ تاؤ پوری طرح نظر آ سکتے تھے ——— کمرہ میں داخل ہونے والے کو دیکھتے ہی لیڈی صاحبہ کے چہرے پہ زردی سے کھنڈ گئی اور مصنوعی شوخ سرخی تیز تر نظر آنے لگی پھر یہ اس جانب سے غیر محسوس طریقہ پہ اپنی ٹوپی کی آڑ کر ہو بیٹھیں۔

داؤد کو بس اتنا ہی دیکھنا تھا۔ اپنا مدعا پا لیا بیگم کے چہرہ کی زردی اور پراگندگی نے راز فاش کر ڈالا۔ لیکن سانیال کے سامنے سے لیڈی صاحبہ کو لے کر جانا اس کے چشم دور بیں میں مناسب نہ نظر آیا۔ گو اس نے یہ احتیاط پہلے سے کر لی تھی کہ سکوٹ لینڈ یارڈ کے افسران کو مطلع کر دیا تھا کہ آج ذرا

دھیان رکھیں سایہ کی طرح ساتھ رہیں۔ خود بھی ۲ؔ ۲ؔ بھرے ہوئے ریوالور جیب میں لئے بیٹھا تھا۔ تاہم ان دونوں کا ساتھ نظر آنا نہ صرف آئندہ تفتیش میں دقتیں پیدا کر دیتا بلکہ مصنوعی سانیال کو ہوشیار۔ آگاہ اور آمادہ بہ تحفظ ——— لیڈی صاحبہ نے بھی چلنے کی چنداں جلدی نہ کی اور یہ دونوں بیٹھے شغل کرتے رہے۔ ان بیگم نے اتنی احتیاط اور کی کہ باتیں کرتے کرتے ذرا کرسی کا رخ اور موڑ لیا۔ جسے داؤد نے بھی غنیمت سمجھا ——— جس وقت اس نے لیڈی صاحبہ کو یہاں لانے کا ارادہ کیا تھا اس وقت بھی یہی ڈر تھا کہ کہیں سانیال ان کو دیکھ نہ لے۔ چونکہ اس کے پاس سوائے اس کے کوئی اور چارہ کار نہ تھا اس وجہ سے یہ راہِ پُر خطر اختیار کی۔

بہر نوع داؤد واقف تھا کہ سانیال یہاں زیادہ دیر ٹکتا نہیں، اور ایسا ہی ہوا کوئی پون گھنٹہ بعد بل ادا کر اس نے اپنی راہ لی ——— داؤد اب جا سکتا تھا لیکن شخص متذکرہ کے اٹھتے ہی کھڑے ہو جانا لیڈی کارلو کے دل میں شبہ پیدا کر سکتا۔ بنا برایں احتیاط برتی اور کچھ دیر بیٹھے شغلِ مے کرتے رہے۔

مناسب وقفہ کے بعد یہاں سے اُٹھ ایک اور اسپیک ایزی میں جا بیٹھے داؤد نے یہ اس وجہ سے کیا کہ لیڈی صاحبہ یہ نہ سمجھیں کہ انہیں کسی مقصد سے لایا گیا تھا اور وہ پورا ہوتے ہی اپنی راہ لی۔ انڈرورلڈ کی سیر محض بہانہ تھی۔ کم و بیش صبح تین بجے تک یہ دونوں اس عالم پوشیدہ اور دنیائے زیریں میں گھومتے رہے لیڈی صاحبہ نے بھی بہت دلچسپی کا اظہار کیا۔

ہر سو رندانہ فضا چہار جانب والہانہ کیف و سرور ——— تصنّعات و تکلّفات کے پردہ اُٹھے ہوئے شرم و حیا کی نقابیں چاک۔ تمدّن و اخلاق کے بند چھٹے ہوئے ——— اس دنیا میں مرد اور عورت محض مرد و عورت تھے۔ لیڈی کارلو بھی نوعمر داؤد پر بھی شباب و شراب کے نشہ جوانی کے سرور، حُسن کی کشش صنف کا لبھاؤ۔ فطرت کی کارفرمائی۔ ماحول کا تقاضا۔ گرد و پیش کی خواہش انگیزی ——— لیڈی کارلو اس وقت صرف عورت تھیں۔ بنت حوّا اور وہ بھی انڈرورلڈ کی۔ داؤد مرد تھا اور صرف مرد جس کی رگوں میں سرحدی خون موجزن ——— ان دونوں نے پہلے ہی دن ایک دوسرے کی جانب

کشش محسوس کی تھی لیکن اپر کلاس کے ماحول نے جام مے سے آگے نہ بڑھنے دیا وہ آج کی رات یہ ساری زنجیریں ٹوٹ گئیں جواب دے گئیں۔

اب داؤد اور لیڈی کار لو میں خاص یگانگت پیدا ہو گئی سب کے سامنے تو ایک سی آئی ڈی افسر تھا اور دوسری لیڈی صاحبہ محترمہ لیکن تخلیہ میں یہ امتیازات اٹھ جاتے یہ مدارج ختم ہو جاتے ——————

اس اختلاط خاص نے تحقیقات میں یہ فائدہ پہنچایا کہ لیڈی صاحبہ نے جو راز کسی کو نہ بتایا تھا ہر ایک سے چھپایا تھا وہ داؤد پر ظاہر کر دیا —————— ہوا یہ کہ ایک رات پھر داؤد نے انڈر ورلڈ میں سیر کرنے کی تجویز پیش کی اور لیڈی صاحبہ نے انکار کیا ——————

اب ان دونوں میں عاشقانہ و معشوقانہ نیاز و ناز ہونے لگے تھے داؤد نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانیں اس پر بات ذرا بڑھی داؤد کے ماتھے پہ کچھ شکن سی آئی معشوق کی نظریں حسن برہم کی بلائیں لے رہی تھیں۔ آخر بولیں۔

لیڈی کارلو۔ داؤد ڈارلنگ میں تمہارے ہی واسطے وہاں جانے سے انکار کر رہی ہوں۔

داؤد۔ کیا مجھے کوئی وہاں مار دے گا۔ آپ کو معلوم ہے میں پٹھان ہوں اپنے ساتھی کو اور اپنے کو بچانا جانتا ہوں۔ میرے دیس میں ہر پٹھان کے موڑ پر موت کھڑی رہتی ہے اور ہم وہاں کھیلتے پھرتے ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ ساتھ داؤد کے چہرہ پر پٹھان تہوّر۔ بہادری اور بے جگری کی شفق سی کھل گئی۔ منہ تمتما اٹھا کندن سا رنگ اور بھی آتش دیدہ نظر آنے لگا۔

لیڈی کارلو۔ داؤد تم خطرہ سے واقف نہیں ہو اور میں آشنا۔

داؤد۔ محترمہ انڈر ورلڈ اب مجھ کو جان گئی ہے اور میں انڈر ورلڈ کو وہاں کی خاک کے ذرّہ ایک بار نہیں ہزاروں بار میری ٹھوکروں سے ارتعاش میں آئے ہیں وہاں کے گنڈے میرے تیور پہچانتے ہیں اور میں ان کی نظریں جانتا ہوں ——— داؤد تن تنہا خیبر۔ ملا کھنڈ اور درّہ میں گیا ہے میری گولی آج تک خطا نہیں ہوئی اور اب تک میرا کوئی کارتوس ضائع نہیں گیا۔

لیڈی کارنو۔ (محبت بھری نظروں سے دیکھ کر) میرے بانکے کے کیا کہنے اتنا کہتے ہوئے وہ صوفے پہ داؤد کے قریب سرک کر ہو بیٹھیں دست سیمیں میں اس کا ہاتھ لیا اور کہا۔

میں نے ان ہاتھوں کو گو آج تک گولی چلاتے نہیں دیکھا تاہم ان کی قدرتوں کو سمجھتی ہوں۔ آپ کے اس اظہار سے پہلے بھی یہ سب کچھ جانتی تھی پھر بھی یہی کہوں گی کہ انڈر ورلڈ میں معمولی خطرہ ہمارا انتظار نہیں کر رہا پیارے تم نہیں جانتے گلی کے موڑ پہ گولی کا شکار بہادر سے بہادر اور جری سے جری ہو سکتا ہے۔ مجھے تم عزیز ہو اس وجہ سے سد راہ ہو رہی ہوں ورنہ اپنی جان کی تو پروا نہیں۔

یہ الفاظ کہتے ہوئے داؤد کا ہاتھ لے اپنے بلورین گلو پہ رکھ دیا اور کہا بخوشی گھونٹ دو۔ داؤد کا غصہ تو ٹھنڈا پڑ گیا تاہم وجہ پوچھنے پر اصرار کیا ———— لیڈی صاحبہ دلنواز نے جب دیکھا کہ یہ ضدی سرحدی کسی عنوان مانتا ہی نہیں اپنی بات اور ہٹ پہ اڑا ہوا ہے تو راز بروںِ پردہ لانے پر مجبور ہو گئیں اور سچ یہ ہے کہ من بھاتے سجیلے سے بات چھپائی بھی نہیں جا سکتی جب من تو شدم تو من شدی کا مضمون

ہو تو پھر رازداری کیسی - بولیں -

لیڈی کارلو - داؤد آج میں تم سے اپنی زندگی کا وہ راز ظاہر کر رہی ہوں جس سے اس دم تک کسی کے کان آشنا نہیں ہوئے - لیکن تم سے پردہ رکھنا میں اپنی قوتوں سے باہر پاتی ہوں (ان الفاظ کے ساتھ ساتھ نگاہیں حیات نچھاور کرتی معلوم ہوتی تھیں) اس وجہ سے کہے دیتی ہوں ——— میرے سارے جواہرات چوری گئے میں نے اُف نہ کی ایک لفظ زبان سے نہ نکالا - شوہر قتل ہوا پر میں نے زبان سے بھاپ نہ نکالی کچھ نہ کہا میرے قتل کی دھمکیوں کے خطوط اب بھی تم کو معلوم ہے چلے آ رہے ہیں پر میرے لب جنبش میں نہ آئے - لیکن کیا کروں تمہاری جان اور تمہاری کامیابی مجھے اپنی زندگی اور عزت و نیک نامی سے بھی زیادہ عزیز ہے - اس وجہ سے آج وہ راز بیان کرتی ہوں جو اب تک چشم فلک سے بھی پوشیدہ رکھا تھا - سنو -

مجھے انگلستان سے ایک پنجابی جوان اپنے ساتھ لے گیا تھا اس نے مجھے مسلمان کر کے اسلامی طریق کے مطابق اپنی بیوی بنایا میرا اس کا باقاعدہ نکاح ہوا مجھے اس وقت تک یہ معلوم نہ تھا کہ اسلامی قانون میں طلاق

کچھ زیادہ وقت طلب مسئلہ نہیں ہے اس شخص نے کچھ عرصہ بعد مجھ سے دغا
کی اور بلاوجہ طلاق دیدی۔ میں کئی وکیلوں کے پاس گئی پر کچھ نتیجہ نہ نکلا آخر میں
یہی معلوم ہوا کہ مہر کی قلیل رقم کے سوا میں اس سے کچھ طلب نہیں کر سکتی۔
ان حالات نے مجبور کر دیا اور میں نے ملازمت اختیار کی۔ پہلے لیڈی ریڈنگ
ہسپتال میں عورتوں کے وارڈ میں کام کیا۔ بعدہ نوشہرہ نرسنگ ہوم میں آئی۔
میں اول الذکر ہسپتال میں مامور تھی اس وقت ایک خان کے لڑکے شیر گل سے
میری دوستی ہو گئی۔ اس نے شادی پر اصرار کیا میں ایک دفعہ کی زخم خوردہ تھی
اس وجہ سے انکار ہی کرتی رہی حتیٰ کہ لورڈ کار لو جو اس وقت مسٹر کار لو تھے
نوشہرہ نرسنگ ہوم میں داخل ہوئے اور میری ان سے شادی ہو گئی ـــــــ
کچھ عرصہ ہندوستان میں گذارنے کے بعد ہم وطن واپس آ گئے۔ شیر گل نے
یہاں بھی ہمارا پیچھا کیا۔ مجھے معلوم تھا اور معلوم ہے کہ چوری بھی اسی نے
کی اور لورڈ کار لو کے قتل کا بھی وہ ہی ذمہ دار ہے نیز میرے پاس جو خطوط
آ رہے ہیں وہ بھی اسی کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں ـــــــ میں
نے اب تک اپنے اور شیر گل کے تعلقات و پارینہ معاملات بدنامی کے خیال
سے صیغہ راز میں رکھے لیکن اب ظاہر نہ کرنا تم کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو مجھے کسی

قیمت پر منظور نہیں ——— انڈر ورلڈ میں جو تمہارے ساتھ جانے سے میں نے انکار کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے اُس رات، ہوک، میں شرگل کو دیکھا، پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور فوراً اس کی جانب سے ٹوپی کی آڑ کر کے ہو بیٹھی گو تم نے محسوس نہ کیا تاہم میں نے یہ احتیاط اختیار کی تھی۔ پھر میں اتنی دیر تک یہی ڈرتی رہی کہ کہیں تم چلنے کو نہ کہو میں چاہتی تھی کہ وہ چلا جائے تب ہم تم وہاں سے نکلیں اس وجہ سے کہ اگر اس کو میرے اور تمہارے موجودہ تعلقات کا شبہ بھی ہو جائے گا تو تمہیں قتل کئے بغیر مانے گا نہیں۔ ابھی تک وہ اسی خیال میں ہے کہ تم محض پولس افسر کی حیثیت سے میرے پاس آتے جاتے ہو ———

داؤد آج تم سے کہتی ہوں کہ اس رات جو میرے پائے استقامت کو حدوں سے آگے لغزش ہوئی وہ اسی وجہ سے کہ تم کو جاں کا خطرہ سے دوبدو دیکھا۔ جس محبت کو میں نے بمشکل دبا رکھا تھا وہ ضبط نہ کی جا سکی اور ابھر آئی ——— دل کی دنیا متزلزل ہو گئی۔ عقل کے قدم لڑکھڑا گئے اور پھر میں نے خودی کو فراموش کر کے اپنے کو تمہارے حوالہ کر دیا ——— پیارے داؤد میں چاہتی تھی کہ اپنی لغزش کی اصل وجہ تم پہ واضح کر دوں

سو آج کہہ دی۔

ان الفاظ کے ساتھ حسن۔ بہ نیاز عاشقانہ سامنے کھڑا نظر آیا وا اوڈو کی آنکھوں سے اُنس و محبت کی شعاعیں نکل کر لیڈی کارلو کی طواف کر رہی تھیں پھر بتا رہا تھا کہ اس جوان کا دل لوٹ کر آیا ہے ——— بہر صورت اس روز انڈر ورلڈ جانا موقوف ہو گیا۔ واڈو نے کہا کہ میری جان تو ہمہ وقت ان قدموں پہ نثار کی جا سکتی ہے۔ میں تو اس کا قائل ہوں کہ ؎

حاصل عمر نثار رہِ یارے کردم

شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

لیکن یہ صحیح ہے کہ آپ کا میرے ہمراہ انڈر ورلڈ میں نظر آنا معاملہ کی تفتیش میں نقصان رساں ہوگا۔ اس کے بعد داؤدگل نے محبوبۂ دل نواز سے قطعاً شبہ دور کرنے کو بالکل انجان بن کر فیرگل کا حلیہ دریافت کیا اور یہ بھی پوچھا کہ اس رات کو وہ کس میز پر بیٹھا تھا۔

جب لیڈی صاحب سوالات کے جواب دے چکیں تو اس نے استعجاب کے انداز سے کہا کہ اسے تو میں جانتا ہوں وہ تو بنگالی ہے اور اس کا نام ہے سانیال اسی وجہ سے اب تک میں نے اسے نظر انداز کر

رکھا تھا۔ بہر نوع یہ میری غلطی تھی۔ چوک ہو گئی۔ اب سمجھ میں آیا کہ اس نے شبہ دور کرنے کو نام اور وطنیت میں تبدیلی کی ہے۔ چونکہ وہ جانتا ہے کہ اس تفتیش میں پٹھانوں پر خاص طور سے نظر رکھی جائے گی ———

بہر نوع اب آپ بے فکر رہیں میں کوئی نہ کوئی شکل نکال لوں گا۔ مدعا تو مل گیا ہے تاہم ابھی ہاتھ ڈالنا قرین مصلحت نہیں پہلے کافی ثبوت بہم پہنچانے ہیں ملزم کو کچھ عرصہ آزاد پھرنے دینا مناسب ہے تاکہ پوری طرح ثبوت فراہم ہو سکیں۔

داؤد نے سانیال جس کو اب ہم شیر گل کہیں گے اس کے کمرے کے قریب ہی کمرہ کرایہ پر لیا بس ایک دیوار بیچ تھی اور اس دیوار میں ایک روشندان بھی تھا۔ اس ماہر فن سراغ رساں نے روشن دان کے اوپر اس طرح شیشہ لگایا کہ شیر گل کے کمرہ کا ہر گوشہ اور ہر کونہ زیر نظر آ جائے ———

اس طریقہ سے چند ہی روز میں پتہ چل گیا کہ جواہرات اسی کمرے میں ایک جانب پوشیدہ ہیں۔

اس کے بعد شیر گل کو ایک روز لیڈی کارلو کے نام دھمکی کا خط ڈالتے ہوئے گرفتار کیا گیا۔ وہ سمجھا کہ معمولی معاملہ ہے اس وجہ سے کوئی خاص مدافعت

نہیں کی تاہم سپاہیوں اور سرہنگوں کو یہ ہدایت تھی کہ بیش از بیش احتیاط برتیں ملزم خطرناک قسم کا شخص ہے ——— داؤد سانیال کو ٹیکسی میں بٹھا کر سے کے چلا صید کے مجرم دماغ نے کام کرنا شروع کیا اب اسے احساس ہوا کہ گرفتاری کے بعد دیگر ثبوت اس کی جائے رہائش سے برآمد ہو جائیں گے۔ ابھی گاڑی تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ وہ چھلانگ مار کر کود ا داؤد بھی بجلی کی طرح جھپٹا لیکن مفرور چند قدم جا چکا تھا اس نے تعاقب کیا وہ فیر کرتا ہوا ایک موٹر تک جا پہنچا۔ خدا معلوم وہ کس کی تھی بہر نوع شیر گل اس میں بیٹھ سیدھا ہو لیا۔ پولس کار پیچھے دوڑائی گئی لیکن وہ راہیں کاٹتا فیر کرتا نکلا چلا گیا تاہم پیچھا کرنے والوں نے نظروں میں رکھا پولس کار بہت طاقت کی تھی مجرم جانتا تھا کہ زیادہ دیر بچ نہیں سکتا۔ تیزی سے موڑ کر ایک دکان کے سامنے گاڑی روکی۔ ایک دروازے سے گھس دوسرے سے نکل گیا۔

داؤد گل ہمت ہارنے اور ہار ماننے والا تھا نہیں فوراً موٹر واپس کرا سادے کپڑے والے سپاہیوں سمیت اس کمرہ میں جا پہنچا جو اس نے شیر گل کے برابر کرایہ پہ لے رکھا تھا ——— جانتا تھا کہ شیر گل

پہلا کام یہی کرے گا کہ اپنے خلاف سارے ثبوت تلف کر دے ——

ابھی انہیں آئے زیادہ دیر ہوئی نہ تھی کہ شیر گل نے اپنا کمرہ کھولا اندر داخل ہو مقفل کر لیا ادھر سپاہیوں نے قفل پر فائر کئے یہ ابھی دروازہ کھول کر داخل ہو رہے تھے کہ وہ کھڑکی کے راستہ نکل پائپ پر سے اُترنے لگا داؤد گل ریوالور لئے کھڑکی پر پہنچا ہی تھا کہ شیر گل نے فائر کیا گولی اس کے شانے میں پیوست ہوئی —— نیچے دو پولس والے دیوار کی آڑ میں کھڑے تھے۔ مجرم کے پیر زمین پر ٹکے ہی تھے کہ انہوں نے دھر لیا۔

داؤد کے شانے میں سے لہو تیزی سے بہہ رہا تھا اسے فوراً ہسپتال پہنچا یا گیا لیڈی کارلو کو اطلاع ہوئی وہ رسم و تکلف برطرف گھبرائی ہوئی اپنے مریض پاس پہنچیں۔ داؤد اپریشن تھیٹر میں بے ہوش پڑا تھا۔ یہ سخت متردد دروازے کے باہر بیٹھی رہیں کوئی ایک گھنٹہ بعد ان کا مرکز جذبات نو عمر داؤد سٹریچر پر لایا گیا۔ یہ سرہانے بیٹھی رہیں کوئی رات کے بارہ بجے داؤد نے آنکھیں کھولیں تب ان کی جان میں جان آئی۔ وہ کچھ بولنے کو تھا کہ انہوں نے اشارہ سے خموش کر دیا اور کہا۔ آپ کو ابھی بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ جتنے دن داؤد ہسپتال میں رہا لیڈی کارلو نے اس کی پٹی نہیں چھوڑی

راتیں آنکھوں میں کاٹ دیں۔ دن بیٹھے بیٹھے۔ نظریں اس رُخ روشن پر جمی رہتیں مریض کیوں کر نہ اچھا ہوتا مسیحا خود مصروف تیمارداری تھا۔ کچھ دن میں زخم بھر گیا۔ جوانی کا زمانہ صحیح غذا مکمل نرسنگ چند روز میں بالکل تندرست ہو گیا گولی کی زد میں کوئی ہڈی نہیں آئی تھی اس وجہ سے بس ایک نشان تو رہ گیا باقی ہاتھ میں کوئی خرابی نہ آئی۔

عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ جواہرات شیر گل کے کمرے میں سے برآمد کئے گئے۔ جس ٹائپ رائٹر پر دھمکیوں کے اور دیگر خطوط ٹائپ کئے گئے تھے وہ بھی وہیں ملی نیز جیبی خنجر سے لورڈ کارلو کو قتل کیا گیا تھا اور اس سے قبل ان کی موٹر میں لگایا گیا تھا ویسے ہی ایک دو نہیں متعدد تلاشی میں دستیاب ہوئے۔

ہمارا داؤد شیر گل کو کیفر کردار کو پہنچانے کے بعد وطن واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔ لیکن دل شکستہ طبیعت اُداس زمین قدم پکڑے لے اپنے دیس کامیاب و سرخ رو واپس جا رہا تھا اس وقت اسے شاداں و فرحاں ہونا چاہئے تھا لیکن یہ اس کے برعکس افسردہ و پژمردہ سا تھا —— ایک روز لیڈی صاحبہ نے ایک خاص انداز سے لجا شرما کر داؤد سے کہا کہ آپ

اپنی ایک نشانی میرے پاس چھوڑے جارہے ہیں یہ سیدھا سادھا پٹھان کچھ نہ سمجھا تو پوچھا کیا۔ لیڈی صاحبہ محترمہ نے نظریں نیچی کرکے کہا نوماہ بعد دکھا سکوں گی۔

داؤد گل کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ایک چکر آیا سارا عالم امکان گھومتا سا دکھائی دیا یہ اپنی لغزشوں کے نتیجہ سے دوبدو تھا ــــــــــ پٹھان اپنی اولاد کہیں چھوڑا نہیں کرتے لیکن داؤد اس وقت عاجز دلاچار خاندانی اور نسلی روایات سرکہ جبیں روبرو کھڑی زجرو توبیخ کر رہی تھیں یہ خموش ہو بیٹھا احساسات کے طوفان سینہ کے کنارے توڑے ڈالتے تھے اور یہ پتھر کا بت بنا تھا۔ چہرہ کا بہ ساؤ۔ نظر کی پراگندگی پیشانی کی شکن رخساروں کی زردی آئینہ دار جذبات وخیالات تھی۔

تھوڑی دیر بعد لیڈی صاحبہ نے مہر سکوت توڑی اور کہا۔ کیا سوچ رہے ہو۔ تم متردد نہ ہو۔ تمہاری امانت کو حفاظت سے رکھا جائے گا۔ لیکن داؤد پر ان الفاظ کا بھی کوئی خاطر خواہ اثر مرتب نہ ہوا ــــــــــ یہ فرنگی نژاد بیگم پٹھانوں کے جذبات اور ان کی روایات سے آشنا نہ تھیں فکر ہر کس بقدر ہمت اوست، انہوں نے اپنے خیال مطابق اس کی تسلی

کردی تھی پھر بھی وہاں چہرہ پر سکون و اطمینان کے آثار نہ تھے۔ آخر انہوں نے پھر پوچھا داؤد کیا بات ہے کچھ بتاؤ ـــــــــــ اس نے بدقت اپنا سر اٹھایا اور کہا۔ کیا عرض کروں۔ یہ سب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔ انہوں نے بہ اصرار کہا۔ دیکھو ڈارلنگ میں نے تم سے کوئی راز نہ رکھا تم مجھ سے اپنے دل کی بات کیوں پوشیدہ رکھتے ہو یہ تو دستور وفا نہیں، کہو، تمہارا ہر حکم مانا جائے گا۔ تب اس نے لب کھولے اور بولا بیگم ہم اچھے خاندان کے پٹھان ہیں۔ ہمارا دستور ہے کہ ہم اپنی اولاد کہیں چھوڑتے نہیں لیکن اس وقت ہم بالکل مجبور ہیں۔

لیڈی کارلو۔ پیارے میں تم کو افسردہ خاطر دیکھ نہیں سکتی۔ قول ہار چکی ہوں جو حکم دوگے وہ مانا جائے گا۔

داؤد۔ راہ میں کچھ فولادی دیواریں نظر آ رہی ہیں۔

لیڈی کارلو۔ محبت کی آگ انہیں پگھلا دے گی۔

داؤد۔ آپ ایک بار زک اٹھا چکی ہیں نیز فرقِ مراتب گلوگیر ہے میں آپ سے کچھ کہنے کی جرأت کر نہیں سکتا۔

لیڈی کارلو۔ داؤد یہ چیزیں دل کے معاملات میں مرد کے لئے سد راہ

ہو سکتی ہیں عورت کے لئے نہیں وہ چاہتے پر سب کچھ نثار کر دیتی ہے
صنفِ نازک مجسم دل ہوتی ہے تم اتنا نہیں جانتے کہ ؎

محبت میں خیالِ حال و مستقبل نہیں ہوتا
جہاں پہ عقل ہوتی ہے وہاں پہ دل نہیں ہوتا

تم سکونِ قلب کے ساتھ وطن جاؤ میں تم سے وہیں آن ملوں گی داؤد نے لیڈی صاحبہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومے اور کہا کیا میں صرف اتنا کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اسلام میں طلاق کی اجازت ضرور دی ہے لیکن انتہائی مکروہ قرار دیتے ہوئے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زن و شوہر کے تعلقات مرد و زن کے درمیان ایک معاہدہ ہیں اور فلسفۂ قانون کے تحت وہ معاہدہ ناقص ہے جس میں سے فریقین کسی طرح نکل نہ سکیں ہاں راہ میں دقتیں اور دشواریاں حائل کرنے کا حق ہے سدباب کرنے کا نہیں جو مسلمان اجازت طلاق سے ناجائز فائدہ اٹھائے وہ درحقیقت اپنے مقدس مذہب کی توہین کرتا ہے اور اسے شرم آنی چاہئے۔

اس سب کے جواب میں دلدار نے باہیں گلے کا ہار کر دیں جس کے معنی

تھے کہ میں ہار مانی جو کہو گے سو کروں گی۔

ڈاوڈ انگلستان سے روانہ ہوا۔ یہ بیگم بھی قول کی پوری تھیں جو کہا تھا سو کر دکھایا ایک سال بعد اسلامی طریقہ سے ڈاوڈ کے ساتھ ان کا نکاح ہوا ایک چاند سی بچی مہ پارہ دلہن کے ساتھ تھی جس کی پیدائش کا راز آج صفحۂ قرطاس پر آیا ہے۔

آمدم بر سر مطلب جو لڑکی سی، ایمی، آئی کلب میں اس وقت علی مرزا پولس افسر کے ساتھ تھی وہ یہی لڑکی تھی جو اب جوان ہے اور لیڈی کار لوکی دولت و ثروت کی واحد وارث ان کا نام ہے یاسمین ———— نسترن بر نرگس چشم۔ گل رخسار و سرو قامت ان کا شباب گلستاں در آغوش بھی ہے اور دیوانہ کن عندلیب بھی ———— علی مرزا کی اور ان کی ایک عرصہ سے رسم و راہ ہے ان بیگم نے والدین کے گزر جانے کے بعد عروس البلاد بمبئی میں بود و باش اختیار کر لی۔ دولت کافی ہے۔ مال و متاع کی کمی نہیں۔ چھڑی جان ہے کوئی خرخشہ ساتھ نہیں۔ سی۔ سی آئی سی میں ایک

کمرے رکھا ہے اور خوش گزارنی کرتی ہیں ——— رقص کی
شوقین ہیں اور بہت سے ان کے گرد اشاروں پر ناچنے والے پرستار
——— ایک خاص حد سے آگے کسی کو بڑھنے نہیں دیتیں ——
——— بحریوں میں دل بھرتی ہیں، چھونے نہیں دیتیں سریہ
——— علی مرزا گو دوسروں کی نسبت! اس بنت حیلہ جو کی طبیعت
میں زیادہ دخیل ہے تاہم حدود قائم۔

مرد وزن ابنائے آدم و بنات حوا ہم آغوش لپٹے چمٹے صرف رقص تھے
——— بینڈ کی آواز ذرات فضا کو ارتعاش میں لا رہی تھی۔
ہوا کیف برسا رہی تھی۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ٹانگیں الٹی جا رہی تھی۔
ہر ایک نور جہاں اور ہر ایک جہانگیر رام رنگی میں رنگا تھا۔ عیش و نشاط کا
دیوتا پھاگ کھیل رہا تھا۔ ساڑیاں سوٹوں سے لف تھیں۔ سوٹ ساڑیوں
میں ضم ——— علی مرزا اور یاسمین بھی شغل شراب و رقص میں
بے خود و سرشار کہ یاسمین کی میز پر ایک نوعمر حسینہ لڑکھڑاتی ہوئی آئی——
——— اس دنیائے شباب و شراب میں زہد و تقویٰ ایمان و
الیقان کے قدم ڈگمگائے ہوئے تھے انسان کا کیا شمار اس کو تو ابتدائے

آمیزش سے لغزشیں ورثہ میں ملی ہیں۔ ان محترمہ کی آنکھوں میں مستی، حرکات و سکنات میں بے باکی، رخساروں میں شراب کی رنگت۔ آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے۔ پتلی کمر گداز سرین۔ چولی اور ساری کے درمیان شکم عریاں ایک موجِ نور شمع کا نور نظر آتا۔ بلند قامت۔ لب مے گوں سے شراب مرد افگن چھلکے۔ انکھڑیاں جادو جگائیں۔ زلفیں مار سیاہ بھریں عقرب کا جوڑا مصروف اختلاط۔ بلور کا سینہ۔ ہاتھی دانت کی گردن۔

علی مرزا نے تعظیم دی یاسمین نے محبت سے اپنے پاس بٹھایا یہ آخرالذکر کی سہیلی مس کرشنا تھیں۔ ان دونوں میں انتہائی اُنس و محبت اور یگانگت تھی۔ اکثر شامیں ساتھ گزارتیں ——— اخلاقی نظریے ایک حد پر جا کر مختلف ہو گئے تھے۔ کرشنا عیش لامحدود کی قائل تھی اور یاسمین کا قول تھا کہ قید و بند۔ قدغن و حدود حیات کے لئے لازمی ہیں ——— یہ طبع بے لگام رکھتی تھی۔ وہ رہوار قلب کو گھاٹیوں پر ذرا کھینچ لیتی۔ تاہم اس تھوڑے سے اختلاف کے باوجود ان دونوں میں بہت دوستی تھی۔

کرشنا کا دستور تھا کہ دن میں ایک بار یاسمین سے ضرور ملتی۔ سارے دن کے اور تمام رات کے واقعات دوہرائے جاتے۔ ان محبت بھرے

دلوں میں کوئی پردہ تھا نہ حجاب تھا۔ یاسمین بھی دوست کو پند و نصائح نہ کرتی ہاں اتنا ضرور گاہ گاہ کہہ دیتی کہ کرشنا کسی نہ کسی دن تجھے پچھتانا پڑے گا۔ یہ مرد ہری جگ عیش شبانہ کے دوست ہوتے ہیں۔ ان سے کھیلو انہیں اپنے سے نہ کھیلنے دو۔ ہر مرد طبع طفلانہ رکھتا ہے اسے کھلونا لینے کا شوق ہوتا ہے اسے حفاظت سے رکھنے کا جذبہ نہیں۔

کرشنا کے آتے ہی پٹ اور ڈر کیا گیا اور اب ان دونوں میں باتیں شروع ہوئیں آج کرشنا کے ہاتھ میں نیا اور نہایت بیش قیمت پرس تھا یاسمین نے پوچھا یہ کہاں سے مارا۔ ان دونوں سہیلیوں میں اس درجہ مراسم تھے کہ ایک دوسری کی تمام چیزوں سے واقف تھیں۔ اکثر آپس میں مشورہ کر کے سنگار کرتیں کبھی کرشنا یاسمین کا لباس تجویز کرتی تو کبھی یاسمین کرشنا کو بتاتی کہ فلاں ساری باندھو اور وہ چولی پہنو ——

یہ پرس یاسمین نے کرشنا کے پاس اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا بنا بریں مندرجہ بالا سوال کی ضرورت پیش آئی اور چونکہ تعلقات بے تکلفی کے تھے اس وجہ سے دریافت بھی کر لیا۔ کرشنا نے جواب میں یاسمین کو شوخ چشمی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کرشنا۔ تم بتاؤ کہاں سے آیا۔

یاسمین:۔ بتانے کو کیا ہوا ہم ابھی بتا دیں گے۔

کرشنا: او نہ بڑی عقلمند۔ بتاؤ تو جانیں۔

یاسمین: کیا دو گی۔

کرشنا: شیمپین کی ایک بوتل

یاسمین: نہیں صاحب یہ تو کم ہے۔

کرشنا: اچھا دو بوتلیں۔

یاسمین۔ اوں ہوں۔

کرشنا: اچھا شیمپین کا ایک پورا کیس۔

یاسمین: ہو گئی بات اب پھرنا نہیں۔

کرشنا: ہرگز نہیں کیا مجال۔ قول زناں جان دارد۔

علی مرزا: ہاں صاحب الٹی گنگا بہہ رہی ہے کبھی قول مرداں جان دارد ہوتا تھا اب قولِ زناں جاں دارد کا دور ہے' ماشاء اللہ کیا کہنے۔ کیوں نہیں شہر بمبئی ہے۔

کرشنا۔ اجی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے ابھی تو اور الٹی گنگا بہے

گی۔ تم مردوں نے بہت مدت عورتوں کو اپنا دلربا بنا کر رکھا اب ہماری باری آئی ہے۔ اچھا اب آپ ہماری باتوں میں دخل در معقولات نہ کیجئے

———— ہاں تو بتاؤ یاسمین یہ پرس کہاں سے آیا۔

یاسمین۔ دیکھو دھرما دھرمی کا معاملہ ہے تم بھی جھوٹ نہ بولنا جو ہم صحیح نام بتادیں تو قبول دینا۔

کرشنا۔ تمہاری جان کی قسم اگر تم نے صحیح نام بتا دیا تو میں مان جاؤں گی پر بیگم تم بتا نہیں سکو گی اتنا ہم جانتے ہیں۔

یاسمین کے چہرہ پر چند لمحہ غور و فکر کے آثار رہے اس کے بعد بولی

یاسمین۔ بیگم یہ پرس تم کو سیٹھ رام روپ نے دلوایا ہے۔

کرشنا۔ (انتہائی استعجاب کے ساتھ) بھئی بات تو یہی ہے تم ٹھیک پہنچیں کیس تمہارا صحیح ہو گیا پر یہ بتاؤ تم سمجھیں کیونکر۔

سیٹھ رام روپ کا نام آتے ہی اور کرشنا کے یہ قبول لنے پر کہ اسی نے دلوایا ہے علی مرزا کے چہرہ پر ایک سیاہ ابر سا آیا اور گزر گیا۔

یاسمین۔ اب تمہیں اس سے کیا ہم کیسے بھی سمجھے۔ کیس دلواؤ۔

کرشنا۔ کیس کل تمہارے کمرے پر پہنچ جائے گا پر یہ بتاؤ یہ بات

تم نے پائی کیسے۔

یاسمین۔ مؤکل ہمارے تابع ہیں انہوں نے آکر بتا دیا۔

کرشنا۔ اب باتیں نہ بناؤ ایسی ہی تو آپ خدا رسیدہ ہیں کہ مؤکل آپ کے حکم میں ہوں گے۔ سیدھی طرح بات بتاؤ۔ نہیں تو کیس سوختہ۔

یاسمین۔ اللہ نے ہم کو دماغ دیا ہے۔

کرشنا۔ ہاں دماغ والی تو تم ہو یہ بات تو ہم جانتے بھی ہیں۔ مانتے بھی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس بھید کو کیونکر پا یا ٹھیک دینے والے کا پتہ کس طرح لگایا۔

یاسمین۔ بیگم یہ پرس بہت قیمتی ہے اور تمہارے احباب کی فہرست میری نگاہ میں۔ اُن میں سے تو کوئی ایسا من چلا ہے نہیں۔ اس وجہ سے میں نے سوچا کہ یقیناً ہو نہ ہو کوئی نیا پنچھی پھانسا ہے ـــــــ اب ہم نے اپنے دماغ پر زور دینا شروع کیا۔ خیال آیا کہ پرسوں ریس میں تم نے سیٹھ رام روپ کے گھوڑے سنیٹا کلوز کو بیک کیا تھا اور وہ جیتا بھی۔ حالانکہ عام خیال یہ تھا کہ وہ اس ریس میں چکارے کو بیک کریگا لیکن ہوا اس کے خلاف اور جس گھوڑے پر تم نے رقم لگائی تھی وہ ہی آگے

آیا۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ ٹپ بالیقین تم کو گھوڑے کے مالک سے ملی ہے چونکہ سیٹھ رام روپ سواروں کو بالکل آخری وقت ہدایات دیتا ہے۔ اس سب کے یہ معنی ہوئے کہ سیٹھ رام روپ کی اور تمہاری زیادہ رسم وراہ ہے اس سب کے علاوہ وہ من چلا۔ خراج۔ زن نثار مشہور بھی ہے۔ مزید یہ آں پرس کے ہینڈل پر آر۔ آر کندہ ہے جو حرکت ایک تنگ خیال تنگ مشرب ہی کر سکتا ہے ورنہ اندر ایک کارڈ رکھ دینا کافی تھا۔ یہ مہر لگا دینی یعنی چہ' میں سیٹھ رام روپ کی طبیعت سے واقف ہوں نو دولتا سفلہ انسان ہے۔ ان تمام باتوں نے مجھے یقین دلا دیا کہ بلا شک و شبہ یہ تحفہ اسی کا پیش کردہ ہے۔

کرشنا۔ بھئی آج میں تیری قائل ہوئی تجھے تو سی۔ آئی۔ ڈی سی افسر ہونا چاہیئے تھا۔ کیوں علی مرزا خاں اتنی عقل دوررس اور طبع نکتہ یاب تو یقیناً آپ کے سارے محکمہ میں کسی ایک کے پاس بھی نہیں ہو گی۔

علی مرزا۔ بندہ پرور کسی ایک کا کیا سوال ہے اگر سارے محکمہ کے دماغ یک جا کئے جائیں تو بھی یہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہم سب تو وہاں گھاس کھودنے اور قسمت کا کھاتے ہیں اور کیوں نہ ہو عورتوں

کی ترقی کا زمانہ ہے۔ اب کے سپرانڈنٹ کی اسامی خالی ہوگی تو خادم انہی بیگم کی سفارش کرے گا۔

یاسمین (تنک کر) اجی یہ نوکری چاکری غلامی مردوں ہی کو مبارک رہے ہم کو نہیں چاہئے۔ آپ ہی اپنی درخواست داغ دیجئے گا ہاں سعی سفارش ہم بھی کردیں گے اور جو ضرورت ہوگی تو سرٹیفکیٹ بھی عطا کردیا جائیگا (کرشنا کی جانب مخاطب ہوکر) کرشنا یہ تو ہنسی مذاق کی باتیں ہیں پر بیگم میں تمہیں جتائے دیتی ہوں یہ رام روپ افعی ہے اس سے احتیاط برتنا کبھی ڈس جائے۔ نہایت خطرناک انسان ہے اتنا خیال رہے اور جو ہماری رائے مانو تو فوراً رسم و راہ ترک کر دو ورنہ پچھتانا پڑے گا۔ ایسے ناگوں سے کھیلنا اچھا نہیں ہوتا۔

کرشنا۔ اگر وہ سانپ ہے تو بندی بھی سپیرن ہے۔

یاسمین: مانا لیکن اس کی فطرت سے تمہارا اکتسابی فن یاد رکھو گزند اٹھاؤ گی۔ بہر صورت۔

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے مختار

کرشنا۔ یاسمین میں بھی گاہ گاہ اس کی آنکھوں میں خطرناک چمک پاتی ہوں کچھ دن گزاردوں گی پھر الگ وامن کشیدہ۔ ابھی چار دن کے اندر رام روپ سے اور اس کی وجہ سے کم از کم دس ہزار سمیٹ چکی ہوں۔ کچھ تو اس نے خود دیا کچھ ریس کی صحیح ٹپ دے کر کموا دیا میرا خیال ہے مہینہ بیس دن میں ہتھوڑا اور ٹوریوں آندھی کے آم ہیں پھر اپنے کنارہ کروں گی۔ ابھی تک پتوچھو نے نہیں دیا ہے تمہارے طریقوں پر کاربند ہوں۔ اس کا کہنا ہے کہ چاندی کا بھاؤ گرتا چڑھتا رہتا ہے اس میں مجھ سے صحیح وقت رقم لگوائے گا ایک ہی داؤں میں لاکھ دو لاکھ کے وارے نیارے ہیں۔ میں نے بھی بات اسی پر اٹھا رکھی ہے اس دم تک تو وعدوں ہی کے دم دلاسوں میں لگا رکھا ہے۔

علی مرزا۔ آپ کی سیٹھ سے ملاقات کیسے ہوئی۔

کرشنا۔ یوں ہی سر راہ۔ میں سینما سے نکل کر پیدل گھر جا رہی تھی کہ ایک کار میرے قریب رکی سیٹھ کو میں پہچانتی تھی اس نے کھڑکی سے باہر منہ نکال کر کہا۔ میں آپ کو کہیں پہنچا دوں میں نے تکلفاً انکار کیا لیکن چونکہ اس وقت گھٹا آرہی تھی ہوا بارش کی خبر لا رہی تھی سیٹھ

نے پھر کہا مینہ برسنے کو ہے بہتر ہے آپ تشریف لے آئیں ورنہ دشواری ہو گی میں سیٹھ کو جانتی تھی اور اس کی دولت مندی سے بھی آشنا تھی اس وجہ سے پیش کش منظور کر لی راہ میں وہ مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ کیا کرتی ہو؟ کہاں رہتی ہو۔ ایک ہوٹل میں چاء پلائی تھوڑی دیر میں رسم و راہ بڑھ گئی۔ ساڑی والے کی دوکان پر رُک کے کہا منظرِ عام پر میرا اس طرح نظر آنا کچھ مناسب نہیں ہے اس وجہ سے میں اتر کر گئی اور ساڑیاں پسند کر کے لے آئی کم و بیش پانچ سو روپیہ کی تھیں سیٹھ نے ہاتھوں ہاتھ رقم ادا کر دی اس کے بعد جوہری کے ہاں سے پرس دلوایا وہاں بھی یہی طریق کار اختیار کیا دام دونوں جگہ نقد دیئے۔

علی مرزا یہ باتیں بغور سنتا رہا لیکن کہیں دخیل نہ ہوا۔ سیٹھ کا اپنے آپ کو دُکانوں پر اس طرح پوشیدہ رکھنا اس کی نگاہ میں خالی از علت نہ تھا ——— گو ہانی عورت کا قتل اس کے علم میں تھا وہ بھی سیٹھ کے ساتھ سوائے شب واردات کے پہلے کہیں دیکھی نہ گئی تھی پھر سب انسپکٹر کے فوراً ہی موٹر کے حادثہ میں مارے جانے نے یہ بات بھی تقریباً ثابت کر دی تھی کہ متوفی نے کوئی نہ کوئی ثبوت مجرم کے خلاف

فراہم ضرور کیا تھا جو اس کے ساتھ ہی ختم کر دیا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ علاوہ بریں سیٹھ مانک جی کا الکشن کی صبح مار گزیدہ ہونا بھی ایک راز تھا گو عدالت نے موت فطری وجہ سے قرار دی اور رام روپ پر ہاتھ نہ ڈالا جا سکا قانونی ثبوت فراہم نہ ہو سکے کیس نہ چلایا جا سکا تاہم علی مرزا کو اپنی جگہ یقین تھا کہ ان تمام وارداتوں میں سیٹھ کو پورا پورا دخل ہے ۔ وہ برابر اس ٹوہ اور تجسس میں تھا کہ کچھ پتہ چلائے سراغ نکالے ۔ اس کی نگاہ جرم داں و مجرم شناس میں رام روپ سیٹھ کے روپ میں سخت دلیر اور جری جرائم پیشہ ہے جس کی پردہ پوشی غلط راہوں سے حاصل کردہ دولت کر رہی ہے ۔

ایک دو بار یاسمین سے بھی علی مرزا کی سیٹھ کے متعلق گفتگو ہوئی تھی وہ بھی اس کے ہم خیال تھی بلکہ اُس مُردم شناس قیافہ داں کا تو یہ کہنا تھا کہ جرم رام روپ کے چہرہ پر کندہ ہے ۔ اسی وجہ سے اس نے اپنی سہیلی کو آگاہ کرنا چاہا تھا لیکن وہ پیسہ کے پیچھے اندھی ہو رہی تھی ——— یاسمین متمدن اور تعلیم یافتہ لڑکی تھی زیادہ کسی کے معاملات میں دخیل ہونا وہ خواہ کتنا ہی عزیز دوست کیوں نہ ہو اس کے مسلک اور طریق کے خلاف تھا ۔ اپنا فرض

منصبی ادا کر دیا اب آگے وہ جانے اس کا کام۔ علی مرزا نے صرف اتنا کہا کہ وہ اس معاملہ میں یاسمین سے ہم خیال ہے اور سیٹھ رام روپ سے احتیاط برتنی ضروری تصور کرتا ہے۔

رات کو تین بجے کے قریب یہ سب اس بزم مے و معشوق اور ہنگامۂ رقص و سرود سے اٹھے چونکہ علی مرزا موٹر سائیکل پر تھا اس وجہ سے کرشنا کو ساتھ نہ لے جا سکا ——— یہ کلب سے نکل موٹر اسٹینڈ تک پہنچی تھی کہ ایک گاڑی قریب آ کر رکی دروازہ کھلا اور سیٹھ رام روپ نے کہا ہلو کرشنا تم اس وقت یہاں کہاں چلو میں گھر پہنچا دوں اس نے انکار نہ کیا اب رسم و راہ بڑھ چکے تھے اور بے جا تکلف کی گنجائش نہ تھی ہاں سیٹھ سے اتنا ضرور دریافت کیا کہ وہ اس وقت یہاں کہاں۔ تو جواب ملا کہ ایک دوست سے کچھ چاندی کا معاملہ کر رہا تھا اب واپس جا رہا ہوں۔ ہال روم میں ہم لوگ نہ آ سکے چونکہ ذرا پرائیویٹ باتیں کرنی تھیں۔ تم اس وقت سامنے جاتی ہوئی نظر آ گئیں میں نے اندازہ کر لیا کہ گیسٹ نائٹ میں آئی ہو گی اب جا رہی ہو سوچا تھوڑی دیر باتیں بھی کر لیں گے اور تم کو گھر بھی پہنچا دوں گا۔

دوسرے روز صبح کرشنا کی نعش جوہو کے قریب کنارہ پر ملی اخبارات میں یہ سانحہ چھپا۔ پولس نے تحقیقات شروع کی۔ علی مرزا کوشش کر کے خود اس تفتیش پر لگا چھٹتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ سیٹھ کی جوہو والی کوٹھی پر پہنچا۔ چوکیدار اور مالی بدلے جا چکے تھے۔ ان لوگوں سے سوالات کئے معلوم ہوا کہ سیٹھ رات کو ادھر آیا ہی نہیں لیکن روش پر تازے موٹر کے نشان تھے نیز ایک کمرہ میں تکیہ کے نیچے وہی پرس ملا جو رات کو کرشنا کے ہاتھ میں تھا۔ علی مرزا نے قبضہ میں کر لیا۔ پھر ایک ایک کر کے سارے کمرے دیکھ ڈالے لیکن کوئی سراغ نہ پایا واپسی میں برآمدہ میں سنگ مرمر کے فرش پر چند خون کے قطرہ نظر آئے زینہ میں چوکے پر بھی چند قطرات بکھرے پڑے تھے جو واردات کی جانب اشارہ ضرور کرتے تھے تاہم قاتل کو ماخوذ کرنے کے لئے کوئی کافی ثبوت نہ تھے۔

بالادست افسر کو ساری رپورٹ پیش کی پہلے کے شبہات بھی بتائے ملازمین کی بابت کہا کہ بالکل نئے ہیں۔ پہلے والے موقوف کر دیئے گئے

ان لوگوں کا بیان ہے کہ سیٹھ رات کو ادھر آیا ہی نہیں صبح چوکیدار نے دروازہ باقاعدہ مقفل پایا تاہم روش پر تازہ موٹر کے نشان شہادت دے رہے تھے کہ چند گھنٹہ پہلے موٹر وہاں ضرور آئی تھی۔ قطرات لہو کا بھی ذکر کیا نیز یہ بھی بتایا کہ رات کو کرشنا ہمارے ساتھ تھی دو اور تین کے درمیان سی، سی، آئی کلب سے گئی ہے۔ میں موٹر سائیکل پر تھا اس وجہ سے ساتھ نہ لے جا سکا ہم سب دروازہ تک ساتھ آئے وہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف گئی تھی۔ یہ پرس جو رام روپ کی کوٹھی میں سے برآمد ہوئی ہے۔ رات کو کرشنا کے ہاتھ میں تھی بلکہ معرض گفتگو میں بھی آئی کرشنا نے کہا کہ رام روپ نے اسے تحفتاً دی ہے ان تمام باتوں کی شاہد میری دوست مس یاسمین ہیں بلکہ ہم لوگوں نے کرشنا کو رام روپ کی دوستی پر متنبہ بھی کیا۔

افسر نے یاسمین کا بیان لینا چاہا۔ علی مرزا اجازت لے اسے لانے روانہ ہوا۔ وہ سخت غمگین و پریشان اپنے کمرہ میں بھپری ہوئی شیرنی کی طرح ٹہل رہی تھی، چہرہ بتا رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ دل میں ٹھانی ہے۔ رنج اپنے ساتھ ایک عزم سا لئے ہوئے تھا۔ ماتھے پر شکن تھی جبڑے بھینچے ہوئے نظریں انتقام کی حامل۔

علی مرزا کو دیکھ کر ایک کرسی پر ہو بیٹھی اور دوسری کی جانب اسے اشارہ کیا خموشی اٹھنے والے طوفانوں کی خبر دے رہی تھی۔ علی مرزا نے سب کچھ بیان کیا وہ بولی مجھے تو یقین ہے کہ یہ حرکت اسی درندہ کی ہے لیکن چونکہ ان قتلوں میں کوئی مدعا نہیں نیز اب تک ہمارے پاس کافی ثبوت ہے نہیں اس وجہ سے یہ مردم خوار آزاد پھر رہا ہے اس شیطان نے گو ہر واردات بے جگری جرأت اور دھڑے سے کی ہے تاہم پہلے سے تمام و کمال تحفظ کر کے۔ اب وہ یقیناً وقت واردات پر اپنا کہیں نہ کہیں اور ہونا ثابت کر دے گا اور اگر نہ بھی کر سکے تو بھی جو ثبوت ہمارے ہاتھ میں ہیں وہ کسی طرح بھی قانون کی نگاہ میں کافی نہیں سمجھے جا سکتے۔

یہ دونوں موٹر میں بیٹھ سپرانٹنڈنٹ کے پاس آئے یاسمین سے دیر تک نہ صرف باتیں اور سوالات ہوئے بلکہ تبادلۂ خیالات بھی ہوتا رہا ——— اس دور میں دو قیقہ رس خاتون نے جرم کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی پولیس افسر اس کی ذکاوت اور رسائی طبع کو دیکھ کر یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ آپ کو تو دراصل میری کرسی پر ہونا چاہیے۔ یاسمین مسکرائی اور بولی میری رگوں میں بھی خفیہ پولیس کے مشہور افسر کا خون

ہے۔ پولس افسر کے استفسار پر اُس نے بتایا کہ داؤ وگل کی لڑکی ہے۔ یہ نام اس محکمہ کی دنیا میں محتاج تعارف نہ تھا اور اتفاق سے مرحوم کی زندگی میں ایک نہایت پیچیدہ معاملہ میں ان دونوں افسران نے ساتھ کام بھی کیا تھا اور اُس وقت یہ داؤ وگل کی فراست اور عقل و دور رس کا بدرجۂ اتم قائل اور معتقد ہو گیا تھا۔

دیر تک یہ تینوں سر جوڑے بیٹھے رہے انتہائی غور و خوض اور رائے زنی کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ مجرم کو مزید مشتبہ کرنا خلاف مصلحت ہی نہیں بلکہ حصول مدعا کو دشوار تر بنانا ہے۔ بنا بریں یہ طے پایا کہ شخص معلوم سے مزید کوئی استفسار نہ کیا جائے ——— یاسمین کا بیان ضبط تحریر میں لے لیا گیا۔ پریس نمبر جھٹ لگا کر محفوظ کر لی گئی ——— کیس کا ایک فائل مرتب کر علی مرزا کو مستقلاً اسی کام پر مامور کر دیا گیا۔

افسر نے چلتے ہوئے یاسمین کو موٹر تک پہنچایا اور کہا شاید مجھے پھر بھی آپ کو تکلیف دینی پڑے۔ وہ بولی کرشنا میری عزیز ترین سہیلی تھی اور اس کام کو میں اپنا ہی کام تصور کرتی ہوں۔ آپ جب بھی حکم

فرمائیں گے حاضر ہو جاؤں گی اس سلسلہ میں آپ کو میرے جذبات معلوم نہیں ۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ جب تک رام روپ کو کیفر کردار کو نہ پہنچا لوں گی چین سے نہیں بیٹھوں گی لیکن اب سب یہ ہے کہ ہم سب مل کر ایک دوسرے کے مشورے سے قدم اٹھائیں چونکہ مجرم انتہائی چالاک اور چابک دست ہے ۔ ہم دونوں نے تو رات ہی کو اسے آگاہ کر دیا تھا کہ رام روپ سے دوستی اچھی نہیں پر وہ نہ مانی اور جو مقدر تھا سو ہوا خیر مرضیٔ مولا از ہمہ اولےٰ ۔ علی مرزا نے بھی قدرے دبے ہوئے الفاظ میں تنبیہہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے تو صاف صاف کھلے طور پر کہہ دیا تھا ۔ متوفیہ کا کہنا تھا کہ کچھ دن بعد رسم و راہ ترک کر دوں گی وہ کچھ دن گزرنے قسمت میں نہ تھے ۔ خیر دیکھا جائے گا اس خونِ ناحق اور جرم ناسزا کی سزا رام روپ کو مل کر رہے گی ۔ ع

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

سپرنٹنڈنٹ نے ایک بار پھر یاسمین کا شکریہ ادا کیا اور یہ دونوں موٹر میں روانہ ہو گئے ——————— راہ میں رام روپ گاڑی چلاتا ہوا ان کے برابر سے گزرا ۔ یاسمین ذرا پیچھے کو دب گئی دونوں

مردوں کی ایک دوسرے پہ نگہ غلط انداز پڑی۔ رام روپ کی نظریں موٹر کا جائزہ لیتی معلوم ہو رہی تھیں۔

علی مرزا۔ بیگم تم بیچھے کو کیوں جھکیں۔

یاسمین۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں رام روپ کی خونی طبیعت مجھ غریب پہ مائل نہ ہو جائے اور پھر مجھے بھی بے چاری کرشنا کی طرح جان سے ہاتھ دھونے پڑیں میری جیسی تو اب دوسری پیدا ہونی بھی مشکل ہے کیوں علی مرزا ہے نہ بات ٹھیک۔

علی مرزا۔ کچے کو تو میں کھا جاؤں گا جو تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔

یاسمین۔ ماشاء اللہ مجھے اب تک معلوم نہ تھا کہ میرے ایسے ایسے جان نثار مردم خوار محافظ موجود ہیں۔ پھر مجھے کس کا کھٹکا۔ سیاں بھیو کوتوال۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ رام روپ کی موٹر پھر سامنے سے آتی نظر آئی اور یاسمین نے ایک خاص انداز سے ساڑی کی اوٹ کر لی۔ طریقہ کچھ ایسا اختیار کیا کہ متلاشی اور متجسس نگاہیں یہ نہ پا سکیں کہ جان کر اوٹ کی گئی ہے ——— اس دوسرے حملہ کے بعد یاسمین نے

اپنی بڑے سائز کی دھوپ کی عینک آنکھوں پر لگالی نیز ساری کے پلّو کو بھی حسب سابق نقاب رخ رکھا ——— علی مرزا کے تیور خشمگیں ہوئے یاسمین تاڑ گئی بولی۔

یاسمین۔ کیوں ابھی سے رقابت کے جذبات پیدا ہونے لگے؟

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری

علی مرزا۔ (نہایت غصہ کے لہجے میں) میں اس مردود سے موٹر ٹکرا دوں گا اب کے آنے دو بچّو بھی کیا یاد کریں گے۔

ان الفاظ کے ساتھ ساتھ یہ جوشیلا دانت بھینچ سٹیرنگ وِیل سنبھال تن کر ہو بیٹھا یاسمین مسکرائی اور بولی۔

یاسمین۔ علی مرزا تم کتنے عرصہ سے خفیہ میں کام کر رہے ہو۔

علی مرزا۔ مطلب۔

یاسمین۔ یونہی ذرا پوچھتی ہوں۔

علی مرزا۔ کم و بیش آٹھ سال سے۔

یاسمین۔ تعجب ہے اب تک تم کو اتنا سا خفیہ کا بنیادی اصول معلوم

نہیں ہوا کہ اس محکمہ میں غصہ آجانا ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔

علی مرزا۔ لیکن یہ بے ایمان ہماری موٹر کے کاوے کیوں کاٹ رہا ہے۔

یاسمین۔ تم غصہ میں توازن دماغی کھو چکے ہو ورنہ اس سوال کا جواب خود دے لیتے مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ بہر صورت تم نے پوچھا ہے تو بتاتی ہوں ـــــــــ مجرم یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس تفتیش میں کون کون دلچسپی لے رہا ہے۔ وہ میرا رُخ روشن دیکھنے کو چکر نہیں لگا رہا بلکہ اس ناگن کو نگاہ میں رکھنا اور پہچان لینا چاہتا ہے جو اُسے ڈسنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اگر غصیل میاں آپ اس کی موٹر سے موٹر ٹکرا دیں گے تو وہ اپنے مدعا میں کامیاب ہو جائے گا۔ بالفرض اگر مر بھی گیا تو بھی قانون کا مدعا تو پورا نہ ہو سکا ہمیں تو اسے عدالت میں عریاں صحیح رنگوں میں پیش کرنا ہے۔

علی مرزا۔ مانتا ہوں تم صحیح کہہ رہی ہو میں غلطی پہ تھا۔

یاسمین۔ اچھا تو اب جناب والا کچھ دیر اُس خاکسار کے کہے پر عمل کریں ـــــــــ موٹر کو اس طرح ایک آدھ گلی میں ڈال کر موڑیئے

کہ پیچھا کرنے والا سررشتہ کھو دے اور ہم کو نہ پا سکے ـــــــــ سمجھے اور جو آپ کا پارہ ابھی چڑھا ہوا ہو اور دماغ صحیح کام نہ کر رہا ہو تو سٹیرنگ وہیل ناچیز کے حوالے کیجئے۔

علی مرزا۔ حکم کی تعمیل کی جائے گی۔

اتنی دیر میں موٹر پھر چکر کاٹ کر سامنے سے آئی اور متنفسر نگاہوں نے موٹر میں بیٹھنے والوں کا جائزہ لینا چاہا یاسمین نے کہا اب موقع ہے جتنی دیر میں یہ آگے سے مڑ کر آئے۔ تم کسی گلی میں گھس کر ایک طرف کو نکل جاؤ ـــــــــ علی مرزا نے ایسا ہی کیا اور سی آئی ڈی کے دفتر جا موٹر روک دی . . . یہ دونوں اتر گئے یاسمین نے اپنے ڈرائیور کو بلا کر کہا کہ صاحب کی گاڑی ہورن بی روڈ پر لے جا کھڑی کرو جب تک صاحب نہ آئیں تم وہیں رہنا۔ علی مرزا نے بہ نگاہ استحسان یاسمین کو دیکھا اور کہا۔

علی مرزا۔ میں تمہاری عقل کا قائل ہو گیا۔

یاسمین۔ کیوں کیا بات ہوئی۔

علی مرزا۔ یہ موٹر یہاں سے دور کرا دینا انتہائی دور اندیشی کا

ثبوت ہے۔

یاسمین۔ علی مرزا مرد بچہ ہے اور بچہ ہی رہے گا۔ یہ عقل بالغ و ذہنِ کارداں کا مالک ذرا سا غصہ آجانے پر سب کچھ کھو دیتا ہے ——— عورت صرف محبت میں بے قابو ہو کر دماغ کو پسِ پشت ڈالتی ہے وہ بھی دانستہ جان بوجھ کر ورنہ اور کوئی جذبہ اسے عقل و خرد سے بے گانہ نہیں کر سکتا۔

اب یہ دونوں کمرے میں جا بیٹھے اور باتیں ہونے لگیں یاسمین نے حکم لگا دیا کہ اب جناب والا رات تک یہاں محبوس ہیں جا نہیں سکتے"۔ علی مرزا نے وجہ پوچھی تو وہ بولیں ہماری خوشی۔ آپ کا اجارہ آتا ہے۔ پھر کہا۔ بندہ پرور عالی جاہ ہم کو اس محتاط مجرم کو پکڑنے کے لئے انتہائی اور تمام امکانی احتیاطیں کام میں لانی پڑیں گی ممکن ہے رام روپ نے کرشنا کو ہمارے ساتھ دیکھا ہو۔ ہو سکتا ہے اسے معلوم ہو کہ میں یہیں رہتی ہوں۔ اس وقت پہلی بار اس نے میری جھلک ضرور دیکھی۔ حالانکہ میں نے سی۔ آئی۔ ڈی اوفس میں اتھتے وقت بھی تمہاری نظروں سے بچ کر غیر محسوس طریقہ سے اپنا منہ خاص طرح چھپا

لیا تھا تاہم بالیقین کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ جس سے ہم کو واسطہ ہے اور جسے ہم تہِ دام لانا چاہتے ہیں وہ گرگ باراں دیدہ و باز نگاہ انسان ہے۔ قدم قدم پر ہوشیار رہنا ہوگا ورنہ کامیابی معلوم۔ میں نے پورا پورا مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو اس سانپ کے پھن کو ایڑی تلے رگڑ دینا ہے ———— اگر اس موذی نے مجھے پہچان لیا ہے تو ایک طرف تو جو اسکیم میرے ذہن میں ہے اس میں دقتیں پیدا ہو جائیں گی دوسرے فوراً یہاں لوٹ لینے آئے گا تاکہ یہ تیقّن کرے کہ ہم دونوں اس کام میں شریک ہیں اسی وجہ سے موٹر یہاں سے بھگا دی اور اب جناب بھی اندھیرا ہونے کے بعد جا سکیں گے۔ اب سمجھے میاں یا ابھی تک بدھی شریف میں نہیں آیا۔

علی مرزا۔ یہ سمجھے کہ کچھ نہ سمجھے ———— بہر نوع یہ قیدو بند تو اس گرفتار زلف کو بہر عنوان منظور بشرطیکہ آپ بھی ہم قفس رہیں تاہم اب یہ فرمائیے کہ حضور نے کیا راہ سوچی ہے کونسی اسکیم بنائی ہے۔

باسمیں۔ معاف کیجئے گا ابھی آپ پر اس کا اظہار قرین مصلحت نہیں ہے جب وقت آئے گا بتا دی جائے گی۔ آپ اپنی جگہ تحقیقات کریں

میں اپنی راہیں اختیار کروں گی بندی کو کوئی آپ کے دفتر سے تنخواہ تو باقی نہیں۔ ع

نواب زادہ ہے داغ آپ کا غلام نہیں۔

علی مرزا۔ اجی حضور غلام تو ہم غریب ہیں آپ خدانہ خواستہ کیوں ہونے لگیں پھر بھی اتنا عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مجھ سے وفا شعار سے پردہ داری یعنی چہ۔ ع

ہم سے نہ چھپا ظالم ہم یار ہیں یاروں کے

یاسمین۔ آپ کی دوست داری میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ تاہم عقل سلیم اور مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ فی الحال آپ کو تاریکی میں رکھا جائے۔ نیز ابھی تو میں کوئی قدم اٹھا بھی نہیں رہی۔ آگے دیکھا جائے گا۔

علی مرزا۔ محترمہ سیاہ زلفوں کی تاریکی ہی کافی ہے اس میں اضافہ کیوں کیجیے ویسے ہی مجھ تیرہ روزگار کی زندگی شب دیجور بنی ہوئی ہے واللہ اعلم آپ کیا قدم اٹھانا چاہتی ہیں مجھے تردد ہے اور تشویش رہے گی۔ خدارا کہیں اپنے کو خدشہ میں نہ ڈال دیجیے گا۔

یاسمین۔ بندہ نواز آپ عورت سے آشنا نہیں ابھی خیر سے نئے نویلے ہیں ورنہ جب کسی سے کھٹک جائے اس کی طینت سے آگاہ ہو جائے اور بد قماشی سے آشنا تو پھر اس مغز بیدار اور چشمِ نگراں کی مالک کو گزند پہنچانا ابن آدم کے بس کی بات نہیں ——— میری بہنیں جو آپ مردوں سے زک اٹھا جاتی ہیں مات کھا جاتی ہیں وہ محض دل کی شہ پڑنے پر اور اس طرف سے میں جناب کا اطمینان کر دینا چاہتی ہوں کہ تادم گفتگو اس نیازمند کو رام روپ سے اُنس و محبت نہیں آگے کی خبر نہیں پس اندریں حالات اس بد کردار کو یاسمین سے اندیشہ ضرور ہو سکتا ہے اور رہے یاسمین کو وہ کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

علی مرزا۔ تاہم جو لائحہ عمل آپ کے پیش نظر ہے وہ غلام کو بتا دینے میں کیا چیز مانع ہے۔

یاسمین۔ ہماری مرضی۔

علی مرزا۔ نیازمند ہر معاملہ میں راضی بہ رضا ہے لیکن اس میں آپ ذرا رواداری برت جائیں۔

یاسمین۔ اوں ہوں۔ آپ کی عادت خراب ہو گی جو ہمیں منظور نہیں

یہ دونوں اندھیرا ہوئے تک باتیں کرتے رہے اس دوران میں یاسمین کی نگاہ کلب کے مین گیٹ پر رہی اس نے دیکھا کہ سیٹھ کی گاڑی ایک طرف آکر رکی تمام کھڑی ہوئی موٹروں پر اس نے نظر دوڑائی کچھ دیر توقف بھی کیا یاسمین نے علی مرزا کو دکھایا اور کہا دیکھا جناب نے میری رائے صحیح تھی یا نہیں ——— کچھ دیر بعد وہ چلا گیا۔

——— بالکل اندھیرا ہو جانے پر یاسمین نے علی مرزا کو جانے کی اجازت دی تاہم یہ مزید احتیاط برتی کہ کلب کے دوسرے دروازے سے نکالا نیز دوران گفتگو میں یہ بھی طے پا گیا کہ آئندہ سے علی مرزا کلب آکر ان سے نہ ملے۔ جب بھی کوئی بات کرنی ہو ٹیلیفون یا خط کے ذریعہ جگہ اور وقت طے کر لیا جائے۔ نیز وہاں بھی احتیاط سے آئے تاکہ متجسس پیروی کرنے والی نگاہیں ان پوشیدہ ملاقاتوں کا پتہ نہ پاسکیں۔ چونکہ یاسمین کی رائے میں اب علی مرزا اور اس کے تعلقات کا سیٹھ سے پوشیدہ رکھنا کامیابی کے لئے لازمی تھا . . . . علی مرزا کو اس ملاقات گاہ گاہ پر اعتراض تھا بولا یہ فراق خود اختیاری ناقابلِ برداشت ہے جواب ملا کہ اب تو برداشت کرنا ہی پڑے گا رقیب

درمیان ہے کچھ وقت اسے بھی تو دوں گی۔ علی مرزا نے کہا میں اس مردود سیٹھ کے لہو کا پیاسا ہو گیا ہوں۔ بیگم نے کج نگاہی سے دیکھتے ہوئے فرمایا یہی ہمارا مدعا ہے ——— بہر نوع یہ تو ہنسی مذاق کی باتیں تھیں اور باہمی ناز و نیاز۔ عمل پیرا اسی تجویز پر ہوا گیا جو یاسمین نے پیش کی تھی۔

علی مرزا ایک جانب محکمانہ طور پر تحقیق و تفتیش میں لگا رہا سیٹھ کی ہر نقل و حرکت نظروں میں رکھی۔ جن جن عورتوں کے پاس اس زن کش و عورت شکار کا آنا جانا تھا ان پر محافظ مقرر ہو گئے تاکید تھی کہ جب بھی سیٹھ ان کے ہاں آئے یا ان میں سے کوئی اس کے ساتھ باہر جائے سائے کی طرح ساتھ رہو قدم قدم پر نگاہ رکھو ———

دوسری جانب یاسمین اپنی اسکیم مکمل کر رہی تھی جس سے اب تک کوئی آشنا نہ تھا علی مرزا نے چند بار پھر بھی پوچھا لیکن اس نے کچھ بتا کر نہ دیا اور یہ اسے ٹالتی رہی۔

یہ کارروائیاں اپنی اپنی جگہ جاری تھیں کہ اسی دوران میں ایک ریاست سے بیش بہا ہیرا بازار میں بکنے آیا سیٹھ نے بھی دیکھنے کو منگایا۔

فرم کا بڑا سیٹھ خود دے کر گیا رام روپ نے بہت پسند کیا معاملہ کی کچھ بات چیت بھی ہوئی۔ یہ قیمت میں قدرے کمی کرانی چاہتا تھا۔ جوہری نے کہدیا کہ صاحب جس کا مال ہے وہ اتنے سے کم میں دینے کو ہرگز تیار نہیں ہے ہم کو ہدایت ہے کہ اس سے ایک پیسہ کم میں نہ فروخت کریں بکے بکے نہ بکے نہ بکے واپس کر دیں آخر میں سیٹھ نے کہا اچھا اس وقت تو آپ اسے لے جائیں چیز اچھی ہے اور مجھے پسند سوچ کر کچھ عرض کر سکوں گا پھر کسی وقت بات ہوگی آپ مالک کو لکھئے تو سہی اگر کچھ گھٹا دے تو اچھا ہے اتنی رقم میں پھنسانی نہیں چاہتا منہ مانگے دام بھی کہیں ملا کرتے ہیں اگر آپ کوشش کریں گے تو دام یقینی کم ہو سکتے ہیں۔ جوہری نے جواب دیا کہ آپ بھی تو سوچیں میں کس منہ سے راجہ صاحب کو یہ بات لکھوں وہ پہلے ہی کم مانگ رہے ہیں چیز اس سے بہت زیادہ کی ہے اور وہ جانتے ہیں پہلے بھی کئی بار بکوائے ہیں دام لگوا چکے ہیں پھر اس وقت ہیرے کا بھاؤ بہت چڑھا ہوا ہے امریکہ سے بڑی مانگ ہے۔ سو دا ان داموں میں بھی منافع کا ہے نقصان کا نہیں جو لے گا بہرا نہیں پڑے گا ——————

رام روپ کا کہنا تھا کہ چیز شوقیہ استعمال کے لئے تو لے نہیں رہا نکالنے

ہی کی نیت سے خرید رہا ہوں۔ ایسے دانے ایک دو دن میں تو بکا نہیں کرتے
پتہ نہیں کتنے دن پڑا رہے اپنی رقم بندھ کر پڑ جائے گی اور تھوڑی رقم نہیں
لاکھوں کا معاملہ ہے آپ جانیں تاجر کے پاس تو پیسہ آتا رہے جاتا رہے اسی
میں کچھ بل جاتا ہے اگر ایک سال بھی نہ بکا تو خالی سود ہی لگا لیجئے کتنا بنا
اس سوچ بچار میں ہوں ورنہ تو ابھی لے لیتا۔ جوہری بولا صاحب بک
جائے تو دو ہی دن میں اور جو پڑا رہے تو برسوں۔ موت اور گاہک کا
کوئی وقت دیلا نہیں۔ ہمارے ہاں ایک پنا دس سال تک رُکا پڑا رہا
اور چیز بھی اچھی بڑی رقم کی تھی پھر آخر جب وقت آیا تو مہاراج پٹیالہ
لے گئے ہمارے تو سود در سود بھر جائے ہوئے۔ ہاں اتنا کہہ سکتے ہیں
کہ جو آپ اس نیت سے خرید رہے ہیں تو آدھے کے ہم بھی شریک ہو
جائیں گے۔ جو بھی مقدر سے مل جائے آدھا آدھا لے لیں گے۔ سچی بات
یہ ہے کہ ان داموں میں بُرا نہیں ہم خود ہی لے لیتے پر اتنی بڑی رقم لگانے
کی ہمت نہیں پڑ رہی ریاست کو یہ بھی لکھا کہ اگر آدھی قیمت اب دے لیں
اور آدھی سال بھر بعد تو سودا ہو سکتا ہے پر وہ یہ بات مانے نہیں ہم تو
اس میں مجبور ہو گئے ——— غرضیکہ آخر میں رام روپ نے

دو چار دن کی مہلت طلب کی اور کہا میں آپ کو ٹیلیفون پہ جواب دے دوں گا یا خود کسی وقت دکان پہ آ کر بات کر لوں گا۔

رام روپ کو نگ پسند آیا تھا رقم دے کر لینا ذرا مشکل تھا۔ ۔ ۔ ۔

طبیعت ادھر ڈھل چکی تھی تدابیر سوچنے لگا ——— ڈاکو، رہزن قطاع الطریق باپ کا خون سر کی جانب چڑھنے لگا۔ آنکھوں میں مجرمانہ چمک آئی ناخن کفِ دست میں پیوست ہونے لگے سیٹھ نے دو روز راہیں سوچنے میں گذارے ——— چوتھے دن سیٹھ کی دکان پہ خود جا پہنچا مالک کو الگ لے جا کر بات کی اور کہا سیٹھ میرا ایک دوست آ رہا ہے۔ جو تمہاری چیز اس کے ہاتھ اس سے بھی بڑھتی میں نکلوا دوں تو مجھے آدھے کا شریک کرتے ہو سیٹھ بزنس مین تھا بولا ہمیں کوئی عذر نہیں اتنی رقم تو ہمیں پوری کی پوری ریاست کو دینی ہوگی اس سے بڑھتی جو ہو اس میں سے پورا آدھا آپ کا رام روپ نے کہا اور کمیشن سیٹھ نے کہا ہمیں اس معاملہ میں ایک پیسہ کمیشن کا نہیں ملتا جو آپ چاہیں تو ہم ریاست کے خط آپ کو دکھا دیں ان کا صاف کہنا ہے کہ اتنے سے کم ہم ایک پیسہ نہیں لیں گے آپ جانیں ہمارے ریاست

سے پرانے تعلقات ہیں بڑوں کے وقت کا ٹھکانا ہے اتنی سی بات پر ہم اڑ نہ سکے رام روپ بولا اچھا جو آپ کو کمیشن نہیں ملے گی تو مجھے بھی نہیں چاہیئے خط پتر دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں آپ کی زبان پر مجھے اعتبار ہے۔ دو چار دن میں وہ آنے والا ہے منچلا شوقین انسان ہے مجھ پر اعتماد کرتا ہے میں کھنچنے کا ڈھنگ دونگا مان جائے گا ——— دونوں میں مشاورۃ کے بعد پچاس ہزار زائد طلب کرنا طے پایا رام روپ یہ کہکر روانہ ہوا کہ اس کے آنے پر میں آپ کو ٹیلیفون کرکے بلالوں گا۔

چار دن کا وقفہ دے جوالا پرشاد جوہری کو شام کے قریب ٹیلیفون کیا اور کہا آپ وہ ٹگ لے کر تشریف لے آئیں۔ جن صاحب کی بابت میں نے آپ سے ذکر کیا تھا وہ آگئے ہیں۔ ابھی معاملہ ہو جائے گا ——— جوہری آن پہنچا سیٹھ نے کہا وہ میری جوہو والی کوٹھی میں ہیں تھوڑی دیر ہوئی یہیں تھے لیکن چونکہ ان کے شغل کا وقت آگیا اس وجہ سے چلے گئے ایک طائف بھی ساتھ ہے ممکن ہے آگے کچھ اور بھی زیورات کے سودے ہو جائیں میں ذرا ڈاڑھی مونڈ لوں پھر ابھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں آج صبح سے شیو کرنے کی بھی مہلت نہیں ملی ——— اس

چالاک نے ذرا آہستہ آہستہ ہاتھ چلائے بڑی دیر تک صابن رگڑتا رہا پھر کہا اجازت ہو تو دو منٹ میں نہا بھی لوں اس طرح اچھا خاصا ایک گھنٹہ لگا دیا پھر چائے منگائی اس میں سورج غروب ہو گیا - اب یہ گھر سے اپنی موٹر میں روانہ ہوئے ——— جوالا پرشاد جوہری کو ہوا لگتے ہی ایک گھمیری سی آئی اور پھر کچھ نشہ سا طاری ہو گیا -

رام روپ کے ساتھ روانہ ہونے کے بعد جوالا پرشاد ایک رہگذر پہ بے ہوش پڑا ملا گاہ گاہ کچھ بڑبڑاتا بھی تھا - پولس تھانہ میں لے گئی سمجھ گئی کہ بھنگ زیادہ پی گیا ہے اس لئے کہ نشہ کی کیفیت بھنگ کی سی تھی ——— صبح جب جوالا پرشاد جی چینتے تو اپنے کو پولس اسٹیشن پر پایا - اب ان حضرت کو ہیرے کا ہوش آیا تو ڈبہ ندارد سیٹھ رام روپ نے اپنا بھنگ کا ست ویسے ہی تو ضائع نہیں کیا تھا یہی غنیمت تھا کہ صرف مال غنیمت ہی پر اکتفا کیا انہیں بھی ساتھ نہ منگوا لیا ورنہ اس سے یہ بھی بعید نہ تھا چونکہ اس کا کام صرف انہیں بے ہوش کر دینے سے بھی نکل سکتا تھا اس وجہ سے ہمیشہ کو خاموش نہ کیا نہیں تو اس وقت سیٹھ جی سرگ باشی ہو چکے ہوتے ——— جب ڈبہ

جیب میں نہ پائی تو ان کے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے کئی لاکھ کی بدھیا بیٹھ گئی ——— ان کی جیبوں میں سے جو سامان برآمد ہوا تھا اس کی فہرست سب انچارج تھانہ کے روبرو تیار کی گئی تھی۔ ڈبیہ ہوتی تو نکلتی وہ تو پہلے ہی تیر کردی گئی تھی ——— سیٹھ نے تو واویلا مچادی تھانہ والے بھی گھبرا گئے جو سپاہی ان کو سٹرک پر سے لایا تھا وہ غریب بھی پریشان کہ کس بلا میں پھنس گیا ———

بہرصورت سیٹھ جوالا پرشاد جوہری کی توند شریف سوراخ شدہ بیلون کی مانند منٹوں میں اچھل گھٹ گئی چہرہ پر ہوائیاں اُڑی ہوئیں رنگ زرد پڑ گیا بار بار یہی کہیں۔ ارے ڈاکو پڑ گیو۔ میں تو لٹ گیو، ہے بھگوان میں تو لٹ گیو۔

بالآخر انچارج تھانہ نے انہیں دم دلاسہ دے کر سارا ماجرا دریافت کیا تب یہ بولے کہ مجھے رام روپ نے لوٹ لیا چائے میں کچھ گھول دیا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر کے ساری داستان بیان کی۔ ٹیلیفون کا واقعہ ہیرے کی گاہکی کا ذکر سنایا پھر موٹر میں جوہو کی طرف روانہ ہونا بیان کیا۔ کہا موٹر میں چائے پینے کے بعد ہی بیٹھا تھا اتنا یاد ہے کہ کچھ چکر سے آئے اور

پھر مجھے ہوش نہیں کہ کیا ہوا کیا نہیں ہوا ——— سپاہی غریب کی جان میں جان آئی ورنہ اسی بے چارے پر الزام عائد ہوتا۔

عدالت کے سامنے جوالا پرشاد کے بیان قلم بند ہوئے، اخبارات میں رپورٹ چھپی بچہ بچہ کے منہ پر اسی واقعہ کا ذکر تھا۔ سپرنٹنڈنٹ پولس اور سی، آئی، ڈی کے افسران اعلیٰ تک معاملہ پہنچا وہ اپنی سعی کرنے لگے لیکن خاطر خواہ نتیجہ بر آمد ہونے کی امید نہ تھی ——— پولس کی زد سے تو اس چالاک انسان نے اپنے آپ کو پہلے ہی محفوظ کر لیا تھا چونکہ جوالا پرشاد کو اس کے ساتھ جاتے ہوئے کسی نے دیکھا ہی نہ تھا رہے جوالا جولرز فرم کے آدمی، ملازمین، بھائی، بھتیجے، رشتہ دار، منعم، جن سے کہہ کر نکلا ہوگا کہ سیٹھ رام روپ کے پاس جا رہا ہوں یا جن کی موجودگی میں ٹیلیفون کا پیغام جس پر آواز سنائی دے سکتی صورت نظر نہیں آتی خدا معلوم کس نے سیٹھ کے نام سے بلا لیا ہو سیٹھ ذمہ دار نہیں یہ بغیر تحقیقات کئے اتنی بڑی جوکھم کی چیز لے کر نکل کھڑے ہوئے یہ انہی کی غلطی تھی بہر نوع ان کو بھی سیٹھ کا ٹیلیفون نمبر معلوم ہو سکتا تھا ایک بار دریافت کر لیتے کہ سیٹھ بلا بھی رہا ہے یا نہیں ——— پس ادھر سے تو رام روپ

مطمئن تھا کہ اگر پولس نے کیس چلایا تو بھی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گی اور اوّل تو اتنا کمزور مقدمہ عدالت میں بے کہ ہی نہیں جائیگی ———

لیکن یہ کم بخت اخباروں کا مسئلہ ذرا ٹیڑھا تھا ان کا کیا تدارک کیا جائے بدنامی سے کس طرح بچا جائے کس ڈھب سے ان کی زبان بند کریں اس فکر میں سیٹھ ضرور تھا۔

آخر کار سوچ ساچ کر اس نے یہ تدبیر کی کہ ایک روز شام کو کچھ اڈیٹرز کو اپنے گھر جمع کیا کہا بلا وجہ میری آبرو خاک میں مل رہی ہے۔لینا ایک نہ دینا دو، بدنامی ہوئی جاتی ہے آپ جانیں ہمارے تو سب کام ساکھ ہی پر ہوتے ہیں وہ ہی لاکھوں کی ہے بزنس مین کی ساکھ نہیں تو کچھ بھی نہیں اور اصل رونا یہ ہے کہ ناکردہ گناہ گرفتار ہوں پولس پاس کوئی ثبوت نہیں عدالت میں جانے کو میں ہمہ وقت موجود ہوں لیکن ان اخبارات کا کیا کروں ——— اڈیٹر صاحبان کو چاء پانی پلایا کچھ نذرانہ بھی پیش کیا اور کہا میری عزت آپ کے ہاتھ ہے کوئی تدبیر نکالئے ——— کچھ دیر غور و خوض کے بعد ان سب کی رائے ہوئی کہ تمام اخبارات کا منہ بند کرنا تو مشکل ہے نیز اس کے واسطے زر کثیر درکار

اس کے علاوہ مقدمہ زیر سماعت پر کوئی رائے زنی کی نہیں جا سکتی نہیں تو چند جریدہ ان کی برئیت کی بابت لکھنے لگتے سیٹھ کو بے گناہ ثابت کرتے صاحب موصوف کی ایمانداری خوش معاملگی اور دیانت داری کے ڈھول پیٹتے لیکن یہ قطعی ممکن نہیں ——— جب تک معاملہ عدالت میں ہے صرف رپورٹ ہی چھاپنی ہو گی اور وہ سیٹھ کے خلاف جا رہی تھی اب کریں تو کیا کریں ——— آخر کار ایک پرانے اخبار نویس بوجھ بجھکڑ نے کہا کہ ترکیب تو میں بتا سکتا ہوں پر ساجھے کے علاوہ دو ہزار روپئے الگ لوں گا۔ سیٹھ کی عزت پر بنی تھی اس نے حوالے کئے اس گرگ باراں دیدہ نے رقم لے کر کہا کہ ہم سب عنوانات بدل بدل کر موٹی موٹی سرخیوں سے یہ رپورٹ ان الفاظ میں شائع کریں کہ سیٹھ رام روپ کے خلاف ایک بھنگڑ کا الزام۔ سرخی میں بھی اور رپورٹ میں اندر بھی بھنگڑ اور نتھیہارے پر زور دیا جائے تاکہ بیان اور الزام کی اہمیت کچھ نہ رہے۔ یہ بات سب کے دل کو لگی اور سب نے اس پر صاد کی ——— دوسرے ہی دن متعدد اخبارات میں یہ عنوان مختلف الفاظ میں پبلک نے دیکھے۔

سی آئی ڈی سپرنٹنڈنٹ نے علی مرزا کو طلب کیا اور کہا تو وہ ظالم ایک اور ہاتھ مار گیا۔ علی مرزا کے چہرہ پر قدرے شرمساری و ندامت تھی لیکن بولا کہ ہمارے آدمی دوسری لائنز پہ کام کر رہے تھے ادھر کی طرف ان کا خیال ہی نہ تھا۔ جس روز علی مرزا جوالاپرشاد سے پہلی بار ملا تھا مجھے رپورٹ ملی تھی ہم لوگ بیشتر نگاہ عورتوں سے متعلق اس کی نقل و حرکت پر رکھ رہے تھے اتنی سی چوک ہو گئی ورنہ اس بار دھروا لیا گیا تھا۔ —— سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔ ہیرے کی چوری میں گرفتاری ہماری نگاہ میں چنداں نتیجہ خیز نہیں تم تو قطعاً اپنی انہی لائنز پہ کام کرتے رہو ایک نہ ایک دن بھید مل جائے گا پتہ چل جائے گا۔ علی مرزا نے کہا کہ کچھ بھی ہو میں شرمندہ ہوں یہ آپ کی عنایت ہے کہ میری کوتاہ بینی کو اس رنگ میں پیش کر رہے ہیں ورنہ درحقیقت ہے یہ چوک —— اندھیر ہے ایک ہی شخص اتنے جرائم کا مرتکب ہو چکا ہم کو یقین ہے کہ وہ ہی مجرم ہے اور اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈال سکے۔ ہر بار نکل بچ جاتا ہے —— ہماری اس کوتاہ دستی سے اس کی ہمتیں بڑھ رہی ہیں اور محکمہ کے وقار کو بھی دھچکا لگتا ہے —— بوڑھے انگریز

بالادست افسر نے علی مرزا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

سپرنٹنڈنٹ : علی مرزا تم کامیابی ناکامیابی کی فکر نہ کرو انسان کا کام صرف کوشش کرنا ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایک روز تمہارے ہی ہاتھ سے یہ گرفتار ہو کر رہے گا۔ جب میں انگلستان میں کام سیکھ رہا تھا تو ایک کیس کی تفتیش پر لگایا گیا۔ علی مرزا سچ کہتا ہوں کہ تین مہینہ تک رات دن ایک کر دیئے صبح سے شام تک مجرم کے دروازے پر کھڑا رہتا لیکن بے سود ایک روز اسی طرح جیسے آج تم مجھ سے کہہ رہے ہو میں نے اپنے بالادست افسر سے کہا کہ محنت رائگاں جا رہی ہے کوئی نتیجہ نہیں اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کتنے عرصہ سے لگے ہوئے ہو میں نے کہا آج تین مہینہ کے قریب ہو گئے۔ وہ مسکرا کر بولا۔ تین سال تک لگے رہو مجرم یہی ہے اور تم ہی گرفتار کرو گے سو بد دل نہ ہو اس کی بھی تمہارے ہی ہاتھ سے آئی ہے ان تحقیقات میں صرف یہ سوچنا ہوتا ہے کہ تمہاری نگاہ صحیح آدمی پر ہے یا نہیں جب یہ طے ہو گیا تو پھر کامیابی یقینی ہے دیر سویر کی اور بات ہے۔ رام روپ کے جرائم میں ایک یہی نقص پاتا ہوں کہ اس نے ایسے حالات اور اسباب

پیدا نہیں کئے کہ تفتیش کنندگان کی نظر بٹ جاتی کسی اور پر بھی شبہ ہونے لگتا۔ اس نے صرف اپنا قانونی تحفظ کر لیا اور بس ———

اچھا اب یہ بتاؤ کہ کرشنا کے قتل کے معاملے میں تم ابھی کہاں تک پہنچے۔

علی مرزا۔ شرمسار ہوں لیکن ابھی روزِ اوّل کہنے پر مجبور۔

سپرنٹنڈنٹ: نگہ دار لگائے۔

علی مرزا۔ نہ صرف نگہ دار مامور ہیں بلکہ میں خود چوبیس چوبیس گھنٹہ اس کی چوکیداری کرتا رہا ہوں۔ بھیس بدل بدل کر بھی پیچھا کیا لیکن اب تک کوئی بات قابلِ گرفت نہ پا سکا۔

سپرنٹنڈنٹ: آج کل وہ کیا کاروبار کر رہا ہے۔

علی مرزا: عمارتوں کے ٹھیکہ لیتا ہے۔ چاندی کے تیزی مندے کے سودے کرتا ہے اور ریس میں اس کے گھوڑے دوڑتے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ: تم نے جب پیچھا کیا تو کہاں کہاں آتے جاتے دیکھا

علی مرزا: دن کو تو کسی خاص جگہ نہیں جاتا۔ کبھی کبھی دوسرے تیسرے جو عمارتیں بنوا رہا ہے ان پر کام دیکھنے جاتا ہے۔ روزانہ ایک

بار اصطبل میں جاکر گھوڑوں کو دیکھتا ہے۔ سٹہ کے معاملہ بیش تر ٹیلیفون پہ کرتا ہے ———— ہاں رات کو گاہ گاہ آوارہ عورتوں کے ٹھکانوں اور اڈوں پہ جاتا ہے ———— سو یہ کوئی نئی بات نہیں بمبئی کا کونسا سیٹھ ہے جو اس دنیائے معصیت میں طالب سکون نہیں آتا۔ سیٹھ رام روپ کی عیاشی میں ایک بات میں نے خاص طور پر ان سب سے مختلف نوٹ کی اور وہ یہ کہ یہ اکثر وبیشتر گھٹیا طبقہ سے رجوع کرتا ہے۔

سپرنٹنڈنٹ: اس کی توجہ ہے ———— خیر یہ بتاؤ کہ اس کے پاس آنے جانے والے کون کون ہیں۔

علی مرزا: اس کے اپنے گماشتہ۔ بزنس مین یا کورپوریشن کے ملازمین۔ ان میں کوئی ایسا نہیں آتا جس پر شبہ کیا جا سکے یا یہ کہا جا سکے کہ اس وقت بلا وجہ کیوں آیا ———— گماشتہ اکثر شام کو حساب کتاب کرنے۔ کاموں کی رپورٹ دینے۔ چٹھوں کی رقمیں لینے آتے ہیں ———— کورپوریشن کے ملازمین دن کو آتے جاتے رہتے ہیں اس کے باوجود کہ کوئی شبہ کی گنجائش نہ تھی پھر بھی ہر

آنے والے کا تعاقب کیا گیا کہیں انگلی ٹکانے کی جگہ نہیں۔

سپرنٹنڈنٹ: (کچھ دیر سوچ کر) یکہ کار معلوم ہوتا ہے جو ہاتھ مارتا ہے تنہا مارتا ہے۔ کوئی سازش میں شریک اور راز داں نہیں ہے۔ علی مرزا! یاد رکھو ایسے مجرموں کو گرفتار کرنا ہمیشہ وقت طلب ہوتا ہے۔ خیر کوشش کئے جاؤ! ایک نہ ایک دن پھنس کر رہے گا بے فکر رہو۔

علی مرزا: صاحب کوئی دقیقہ فروگذاشت کر نہیں رہا اپنی دانست میں تو کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا آگے میری اور اُس کی قسمت۔

سپرنٹنڈنٹ: قسمت کا حال ہم سے پوچھو ہم بتاتے ہیں اُس کی قسمت میں گرفتار ہونا ہے اور تمہاری قسمت میں اس مردود کو گرفتار کرنا ہے۔ ہاں یہ بتاؤ کہ مس یاسمین کی کیا رائے ہے وہ اس معاملہ میں کن لائنز پر جا رہی ہیں۔ مجھے ان میں خاص صلاحیتیں نظر آتی ہیں، تمہارا ان سے ملنا ہوا تھا۔

علی مرزا۔ وہ کچھ کر تو ضرور رہی ہیں لیکن ابھی تک مجھے باوجود دریافت کرنے کے بتایا نہیں جب میں نے اصرار کیا تو بس اتنا کہدیا کہ میں ابھی اپنی اسکیم کو پوشیدہ رکھنا چاہتی ہوں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ میں آپ

سے مختلف لائنز پہ کام کر رہی ہوں جب مشورہ کی ضرورت محسوس کروں گی خود کہہ دوں گی ابھی اپنا طریقۂ کار کسی پہ ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھتی ———— سو بندہ نواز میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ لگی ہوئی تو ضرور ہیں لیکن کیا کر رہی ہیں یہ نہیں معلوم۔

سپرنٹنڈنٹ: تم اکثر ان سے ملتے رہتے ہو۔

علی مرزا: پہلے تو روزانہ ہی ملنا ہوتا تھا پہ جب سے کرشنا کا سانحہ ہوا ہے اب تیسرے چوتھے دن ملاقات ہوتی ہے وہ بھی چوری چھپے۔

سپرنٹنڈنٹ: یہ کیوں ؟

علی مرزا: ان کا کہنا ہے کہ رام روپ آگاہ ہے کہ تم اس کی ٹوہ میں ہو اور درپے آزار اگر مجھے اور تمہیں ساتھ دیکھ لے گا تو میں بھی اس کی نگاہوں میں آجاؤں گی اور یہ مناسب نہیں۔ ہمارے تمہارے تعلقات اس پر کسی عنوان ظاہر نہیں ہونے چاہئیں۔ یاد رکھو جانور بھی شکاری کو پہچانتا ہے اور اس کی زد سے بچ جاتا ہے اسی وجہ سے اکثر شکار کھیلنے والے گنواروں کا بھیس بدل بدل کر لڈھوں میں بیٹھ کر

جنگل کی طرف جاتے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ: دکہن سال کار آزمودہ افسر نے تھوڑی دیر غور کیا پھر کہا، علی مرزا یاسمین بہت سمجھدار اور دوربین لڑکی ہے میں پہلے ہی دن اس کی فراست طبع کا قائل ہو گیا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی جگہ کچھ معلوم کرو کہ وہ کن لائنز پہ کام کر رہی ہے اور اگر ممکن ہو اور انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں بھی ایک بار ان سے تبادلہ خیالات چاہتا ہوں۔

علی مرزا۔ صاحب وہ مجھ کو تو باتوں ہی ٹال دیتی ہیں کوئی بھید دیتی نہیں ایک بار نہیں ہزار بار کوشش کر دیکھی ہاں آپ کو کچھ بتا دیں تو میں کہہ نہیں سکتا۔ میں ابھی ٹیلیفون کر کے ان سے وقت طے کئے لیتا ہوں پھر آپ خود بات کر لیجئے گا۔

اس کے بعد فوراً ہی علی مرزا نے یاسمین کو ٹیلیفون کیا اور کہا تم کو معلوم ہے ابھی حضرت نے ایک اور ہاتھ مار لیا۔ جواب ملا ہاں معلوم ہے میں پہلے سے جانتی تھی کہ یہ ہو گا لیکن تمہیں دانستہ آگاہ نہیں کیا۔ چونکہ ابھی دست اندازی کا وقت آیا نہیں اکھٹا ہاتھ ڈالا جائے گا

اس کے بعد علی مرزا نے کہا۔ ہمارے سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ کو سلام کہتے ہیں اور اجازت خواہ ہیں کہ ایک بار آپ سے مل کر اس سلسلہ میں گفتگو کریں اگر آج آپ کسی وقت خالی ہوں تو فرمادیں۔ جواب ملا ایک منٹ میں ڈائری دیکھ کر بتاتی ہوں لائن کھلی رکھئے گا۔ پھر بولی۔ میری طرف سے آداب عرض کیجئے اور کہیئے کہ شام کو چار بجے۔ دیکھئے۔ آپ اپنے ہمراہ مقام مقررہ پر لے آیئے گا میں پہنچ جاؤں گی لیکن اتنا خیال رہے کہ پوری پوری احتیاطیں برتی جائیں۔ علی مرزا نے کہا ایک منٹ ٹھہر جایئے ابھی جواب دیتا ہوں پھر سپرنٹنڈنٹ سے بولا آج شام چار بجے کا وقت دیا ہے آپ کو فرصت ہے چل سکیں گے افسر نے میز کا کیلنڈر دیکھ کر کہا بے شک۔ علی مرزا نے پھر ٹیلیفون سنبھالا اور کہا ہم پہنچ جائیں گے یاسمین نے پھر تاکید کی کہ مکمل احتیاطیں لازمی ہیں جواب ملا آپ بے فکر رہیں ہم انشاء اللہ ٹھیک چار بجے وہاں ہوں گے۔

تین بجے سپرنٹنڈنٹ سی۔ آئی۔ ڈی کے دفتر ایک بوڑھا انگریز نو عمر پنجابی کے ساتھ آیا۔ موٹر دروازہ کے پاس رکی اور دونوں سپرنٹنڈنٹ کے کمرے میں اجازت لے کر داخل ہوئے ——— تھوڑی

دیر بعد پھر باہر نکلے اور موٹر میں بیٹھ روانہ ہو گئے ——— پنجابی ڈرائیو کر رہا تھا انگریز قریب بیٹھا تھا تھوڑی دور جانے کے بعد انگریز بولا۔ علی مرزا ہم کو کہاں جانا ہے یہ سپرنٹنڈنٹ تھا اور ڈرائیو کرنے والا پنجابی ہمارا اعلی مرزا۔ جواب ملا مٹنگا چل رہا ہوں۔

یہ دونوں واقف تھے کہ آج کل رام روپ کی نگاہیں ہر جگہ ان کا طواف کر رہی ہوں گی بنا بریں یہ طریقہ اختیار کیا کہ ٹھیک تین بجے اُن سواریوں کو اپنے دفتر بلایا پھر دونوں ان کے کپڑے پہن کر برآمد ہوئے نظر میں رکھنے والا اور نگہداشت کرنے والا سمجھا کہ وہی دو آدمی جو ابھی آئے تھے اب جا رہے ہیں اس وجہ سے شبہ نہ کر سکا اور دونوں کو پوشیدہ طور پہ نگاہوں سے بچ کر جہاں جانا تھا وہاں روانہ ہو گئے۔

یہ گاڑی مٹنگا میں ایک بلڈنگ پہ رُکی علی مرزا آگے آگے انگریز پیچھے پیچھے سیڑھیوں پر چڑھنے لگے ——— اوپر جا کر اول الذکر نے ایک دروازہ پہ خاص طرح دستک دی آواز آئی آ جایئے اور یہ دونوں داخل ہوئے ——— سامنے ایک کرسی

پر نوجوان میم صاحبہ متمکن بوڑھا افسر بیک نگاہ پہچان نہ سکا۔ گھر کی مالکہ آنے والے کے استعجاب پر قدرے مسکرائیں اور کہا آپ مجھے نہیں پہچانے پھر علی مرزا پر نظر ڈالی اور کہا کیوں صاحب آپ کو بھی تشابہ لگ گیا سپرنٹنڈنٹ نے یاسمین کو سر سے پا تک پُر از تعریف نظروں سے دیکھا اور کہا۔

سپرنٹنڈنٹ: کمال کا میک اپ کیا ہے اگر آپ میری حیرت پہ مسکراتی نہیں اور جو مجھے پہلے سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ آپ سے ملنے آ رہا ہوں اور آپ ہی یہاں ہوں گی تو ہرگز ہرگز نہ پہچان سکتا۔ اجازت دیجیے کہ آپ کے کمال کی داد دوں۔

یاسمین۔ شکریہ۔ تو آپ کی رائے ہے یہ میک اپ پکا ہے۔

سپرنٹنڈنٹ: فرسٹ کلاس۔ قطعاً برابر کہیں کوتاہی اور کمی نہیں اگر راہ میں، میں آپ کو کہیں دیکھتا تو ہرگز ہرگز نہ پہچان سکتا۔ کیوں علی مرزا کیا تم پہچان سکتے تھے۔

علی مرزا۔ اجی صاحب پہچان سکنے کا کیا سوال ہم تو اب تک اس درجہ سکتہ میں ہیں کہ اب تو اپنے پہ بھی شبہ ہونے لگا واللہ انہوں نے تو ہمیں بھی مات کیا۔

یاسمین۔ (علی مرزا کی جانب مخاطب ہو کر) بندہ نواز دیکھئے آئینہ کو دعا اگر انسان کے پاس یہ رونما نہ ہوتا تو کوئی بھی اپنے کو خود نہ پہچان سکتا ایک آپ ہی کا گیا ذکر (سپرنٹنڈنٹ کی جانب مخاطب ہو کر) میں چاہتی بھی تھی کہ اس تبدیلی وضع اور بہروپ پر کسی ماہر فن کی مہر تصدیق ثبت ہو جائے اب مجھے اطمینان ہو گیا اس معاملہ میں آپ سے بڑھ کر کون دیدہ ور ہو سکتا ہے۔

سپرنٹنڈنٹ: صرف اتنا عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ یہ لباس آپ پر بہت سجتا ہے۔ یقین جانئے حسن دوبالا ہو گیا۔

یاسمین: شکریہ لیکن اتنا عرض کرنا چاہتی ہوں کہ جناب والا میری زیادہ تعریف نہ فرمائیں۔

سپرنٹنڈنٹ۔ کیوں۔ میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں مبالغہ نہیں کر رہا۔ آپ کا رنگ تو یوروپین ہے ہی۔ میں اگر پہلے سے آپ سے واقف نہ ہوتا تو یقیناً اٹیلین یا اسپینش سمجھتا اور وہ بھی سیاہ زلفوں اور کالی پتلیوں کی وجہ ہے۔

یاسمین۔ (علی مرزا کی جانب بہ نگۂ شوخ دیکھتے ہوئے) صاحب

یہ بہت جلتے ہیں اور انتہائی رشک کے مارے ہوئے۔ مجھے ڈر ہے کہیں آپ سے بھی نہ بگڑ جائیں۔ ذرا ان سے ڈرتی رہتی ہوں ——

—— آپ کو نہیں معلوم جس روز میں آپ کے پاس سی آئی ڈی آفس آئی تھی اس دن رام روپ نے کئی بار ہمارا راستہ کاٹا۔ وہ اصل میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ علی مرزا کے ساتھ کون عورت ہے تاکہ وہ اسے پہچان لے اور ذہن میں رکھے نیز حربہ سے بچا رہے

—— بس صاحب پھر کچھ نہ پوچھئے ان کی تو آتش رشک وحسد بھڑک اٹھی ایک دم پارہ نو سو ننانوے دکھانے لگا۔ چہرہ سرخ پڑ گیا آنکھوں سے انگارے نکلنے لگے بالکل بے قابو ہو گئے تھے کہ موڑ ٹکرا دینے کی ٹھان لی۔ تب میں نے کہا باؤلے ہوئے ہو یہ میری شمع حسن کا پروانہ نہیں بلکہ تتلیا ہے اپنی حفاظت کا خواہاں تب کہیں جاکر یہ نواب صاحب انسانیت کے جامہ میں آئے اور غصہ فرد ہوا سو مجھے ڈر ہے کہیں یہ آتش فشاں ابھی آگ نہ اگلنے لگے۔

سپرنٹنڈنٹ : کیوں علی مرزا تم مجھ بڈھے سے بھی رشک کروگے میں معافی چاہتا ہوں پر کیا کروں اس وقت تعریف کرنے پر مجبور ہی

ہو گیا ——— آپ کے دماغ کی تو میں اکثر توصیف کرتا رہتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت مشورہ طلب کرنے خدمت میں آیا ہوں ہاں اب کان ہو گئے آیندہ آپ کے حسن گلوسوز کی تعریف کرنے میں اتنی احتیاط برتوں گا کہ جس وقت علی مرزا نہیں ہوں گے اس وقت کیا کروں گا۔ کیوں علی مرزا ٹھیک ہے نہ۔

علی مرزا بیچارہ نظریں نیچی کیئے بیٹھے رہے اس بت عشوہ گر دمقراض زبان کے سامنے کیا بولتے اور سچ یہ ہے کہ اس وقت انہیں اپنے سر و پا کا ہوش نہ تھا سوال وجواب کیسے نظریں اس دشمن دیں کا طواف کر رہی تھیں دل صرف سجدہ ریزی ———

یاسمین نے گھنٹی بجا کر چاء منگوائی اور پھر معاملہ کی گفتگو شروع ہوئی۔

سپرنٹنڈنٹ: مس یاسمین آپ کو معلوم ہی ہے کہ رام روپ نے ایک اور ہاتھ مارا۔ پولس کی بدنامی ہو رہی ہے اور خصوصاً سی۔ آئی ڈی کی مجھے بھی یقین ہے اور آپ کو بھی کہ یہ سارے کام جواب تک تشنۂ ثبوت ہیں کیئے ہوئے اسی ایک فرد کے ہیں ———

علی مرزا کا کہنا ہے کہ آپ کے ذہن میں کوئی خاص اسکیم ہے میں آپ

کی فراست کا پہلے ہی روز قائل ہو گیا تھا اس وقت اس لئے حاضر ہوا ہوں اور آپ کو بھی تکلیف دی ہے کہ اگر کوئی مضائقہ نہ سمجھیں تو ہم کو بھی اپنے ارادے سے آگاہ کر دیں تاکہ باہمی مشاورت سے کام کیا جا سکے اور کوئی کامیابی کی شکل پیدا ہو۔

یاسمین۔ اوّل تو میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں پھر اپنے کو مبارکباد دیتی ہوں کہ آنجناب جیسے ماہرِ فن افسر نے اس حقیر کو مشاورت کے قابل سمجھا ——— اس کے بعد یہ عرض کرنا ہے کہ میری اوّل روز سے یہی رائے ہے اور ایک دن سے ایک دن زیادہ واثق ہوتی جاتی ہے کہ یہ کاملِ فن جرائم پیشہ معمولی پولس کے طریقوں سے قابو میں آ نہیں سکے گا۔ اس کی اپنی اسکیمز پورا پورا حفظ ماتقدم لئے ہوئے ہوتی ہیں اس کے مدِنظر ہم کو توڑ پر اسکیم تیار کرنی ہو گی اور اس کے سامنے لاسہ ڈالنا پڑے گا اس میں پھنس جائے تو پھنس جائے ویسے گرفت میں نہیں آ سکتا چونکہ وہ خود جو بھی اقدام کرتا ہے اس میں تمام و کمال پیش بندیاں کر لیتا ہے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ وہ ہاتھ مار جاتا ہے اب تو بس ایک یہی چارہ کار ہے کہ اس کے سامنے

چارہ اور کانٹا ڈالا جائے۔ تاکہ یہ اس پہ منہ مارے اور پھنس جائے۔

نیز مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جوہر والی کوٹھی میں کچھ پوشیدہ کمرے اور تہہ خانے ہیں جن کی راہ سوائے اس شیطان کے اور کسی کو معلوم نہیں یہ بھی میں جانتی ہوں کہ رام روپ کسی مرد کے قابو میں آنے والا نہیں ہاں عورت اسے پھنسوانے میں کامیاب ہو سکتی ہے ———

میں اتنے عرصہ سے رام روپ کا کچھ فاصلہ سے بغور مطالعہ کرتی رہی اور مجھے اس رائے پہ اصرار ہے کہ یہ مجرم سیڈسٹ (SADIST) ہے اور دماغی مریض اور اسی جنسی دماغی خرابی کا شکار تمام عورتیں ہوئی ہیں اس تخیل میں، میں حدِ یقین کو یوں پہنچی کہ اکثر بار کوشش کر کے میں نے عورتوں کے مجمع میں اس مرد جنوں زدہ کو دیکھا ———

اس کی آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک آتی تھی نیز ہاتھ بار بار مردار خوار گدھ کے پنجوں کی طرح بھچتے اور کھلتے تھے علاوہ بریں دانت پیسنے کی آواز بھی میں نے خود سنی ——— ان مشاہدات نے میرا یہ خیال پختہ سے پختہ تر کر دیا کہ یہ شخص سیڈسٹ اور جنسی مجذوب ہے۔

ابتدا میں میرا خیال اس جانب اس وجہ سے گیا کہ اب تک جتنے بھی

عورتوں کے قتل اس درندہ صفت نے کئے ہیں ان میں سے ہر ایک میں مدعا کی کمی تھی پھر مزید مطالعہ نے ثابت کر دیا کہ میری رائے بالکل صحیح ہے۔

سپرنٹنڈنٹ: میں اس میں آپ کی رائے سے پورا پورا اتفاق کرتا ہوں۔ ایک دو بار میرا بھی ذہن اس جانب گیا ہے لیکن ان قتلوں کے ساتھ ساتھ رام روپ نے چونکہ دیگر جرائم بھی کئے ہیں اس وجہ سے خیال پوری طرح اس پہلو پر جما نہیں۔

یاسمین۔ میری رائے میں یہ شخص دماغی جنسی مریض ہے اور اس کی طینت میں جرم و بہیمیت کا امتزاج۔

سپرنٹنڈنٹ: بہت ممکن ہے جرم کی تاریخ میں ایسے کیسز ہم کو ملتے ضرور ہیں گو قدرے کم اور خال خال۔

یاسمین۔ اب ان حالات کے مدّنظر ہم کو ایک حسین تیز سمجھدار لڑکی درکار ہے جو لاسہ کا کام دے۔ پس میں نے یہ طے کیا کہ اپنے آپ کو اُس کے سامنے پیش کر دوں ——— ہر طرح کی احتیاط برتوں تحفظ کے پورے پورے انتظامات کر لوں ———

اور پھر اس شیطان صفت انسان کو آہستہ آہستہ اپنی جانب مائل کروں پھر اندر گھس کر اس کا بھی پوری طرح مطالعہ کروں اور سارے بھید بھی ٹٹولوں۔ مجھے یقین ہے جو ہو کی کوٹھی کچھ نہ کچھ سُراغ ضرور دے گی۔

علی مرزا۔ ہمارے محکمہ میں بہت سی عورتیں ملازم ہیں یہ کام ہم باآسانی ان سے لے سکتے ہیں۔ آپ کے ذاتی طور پہ اس خطرے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ میری تو کسی حالت میں یہ رائے نہیں۔ وہ سخت خطرناک انسان ہے اور یہ جان جوکھم کے سودے۔ جان بوجھ کر اپنے آپ کو ایک درندہ کے سامنے پیش کرنا اور خطرہ مول لینا قرین عقل نہیں۔

یاسمین۔ دیکھا آپ نے سپرنٹنڈنٹ صاحب فوراً برہم ہو گئے۔

سپرنٹنڈنٹ: معاف کیجئے گا اس معاملہ میں میں بھی علی مرزا کا ہم خیال ہوں میری بھی یہی رائے ہے کہ آپ کو بذاتِ خود یہ قدم نہیں اٹھانا چاہیئے مبادا کوئی گزند پہنچ جائے۔ میں آپ کی اسکیم سے اتفاق رکھتا ہوں۔ رائے مانتا ہوں۔ تدبیر بہترین ضرور ہے تاہم آپ

کو خود اس میں کوئی عملی حصہ نہیں لینا چاہیئے ہاں اتنا ضرور ہے کہ جناب ہمارے ساتھ مل کر دوسرے کام کرنے والوں کو ڈائرکٹ کریں ہدایات دیں۔

یاسمین۔ محترم عرض یہ ہے کہ مجرم جتنا تیز ہو اس کے گرفتار کرنے کے لیئے بھی اتنے ہی طرار افسر کی ضرورت ہوتی ہے علاوہ بریں مجھے ایسی طرحدار حسینہ درکار ہے جس کے انداز سیٹھ کو دیوانہ کر دیں عقل پر خمار سا چھا جائے آنکھوں پہ پردہ پڑ جائیں نیز وہ محبوبہ خود اتنی سمجھدار ہو کہ موقع و محل دیکھ کر قدم اٹھائے کسی کی ہدایت اور ڈائرکشن اسے درکار نہ ہوں نیز برابر شکار کا مطالعہ کرتی رہے اس کی ہر نقل و حرکت کے معنی سمجھے سیٹھ کے ارادوں کو پہلے سے بھانپ جائے اور اس سب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ کسی قیمت پر خریدی نہ جا سکے ——— اتنا خیال رہے کہ رام روپ کے پاس بے اندازہ دولت ہے اور خرچ کرنے کو دل بھی ——— جو لوگ ہمارے لئے سو دو سو پر کام کرتے ہیں معاف کیجئے گا وہ دو چار ہزار لے کر دوسرے کے بھی ہو سکتے ہیں ——— یہ کام تو اگر انجام پا سکتا ہے تو میرے

ہی ہاتھ سے دوسری کسی عورت کے بس کا روگ نہیں یہ بات فراموش نہ کیجیے کہ ہماری کارکن ہم سے ہدایات نہیں لے سکے گی۔ وہاں تو خود ہمہ وقت لمحہ لمحہ پہ اپنی عقل و دوربینی سے فیصلے کرنے پڑیں گے۔

علی مرزا۔ پھر بھی اس کے یہ معنی تو نہیں کہ ہم اسے گرفتار کرنے کے لئے آپ کو اس کے دام میں پھنسوا دیں۔ میں تو کسی حالت میں اس کا قائل ہوں نہیں۔ میری رائے میں تو یہ صریح غلطی ہے۔ ہم یقیناً اپنی سی آئی ڈی کی کارکن عورتوں میں سے کسی ایک کو چھانٹ کر لگا سکتے ہیں لیکن آپ کو اس خطرہ میں ڈالنا کسی عنوان میری سمجھ میں نہیں آتا۔

یاسمین: بندہ پرور یا کرے دردمند یا کرے غرض مند ——— نیز ہم کو یہ پیش نظر رکھنا ہوگا کہ کس درجہ تیز و چالاک مجرم سے ہمارا واسطہ ہے جو عورت بھی اس کام پہ مامور ہوگی اسے مسلسل ہر وقت خود نہایت اہم فیصلے کرنے پڑیں گے کہ اس وقت کیا کرنا چاہیئے کیا نہیں کرنا چاہیے ایک بھی غلط قدم نہ صرف اس کی زندگی ختم کر دے گا بلکہ ہماری تفتیش بھی ———

——— آپ دیکھتے ہیں میں خود کس درجہ احتیاط سے آپ لوگوں سے مل رہی ہوں ہر نوع ملازمہ کو اپنی رائے سے نہ اقدام کی

اجازت ہو سکتی ہے نہ جرأت اسے یقیناً مزید احکامات کا محتاج رہنا پڑے گا ———— نیز جن طریقوں اور جس طرز سے اس شخص کے پٹھوں میں گھسنا ہے وہ معمولی دماغوں کی حدوں سے باہر ہے۔ پھر یہ بھی سوچ لیجئے کہ ایک معمولی عورت سے آپ سیٹھ کے دوستانہ تعلقات کیونکر کرائیں گے کس طرح تعاوف ہو گا کون سے طریق سے ملاقات ———— ہماری کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ٹوہ لگانے والی سراغ رساں جو ہو کی کوٹھی میں رہے۔ سیٹھ کی ہر نقل و حرکت پر نظر رکھے۔ بالفرض ہم نے کسی سی۔ آئی۔ ڈی کی عورت کو طائف بنا کر یا معمولی آوارہ عورت بنا کر سیٹھ تک پہنچا بھی دیا تو وہ غریب بھی ایک اور قربانی کا بکرا بن جائے گی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتا ہم اپنے مدعا کو نہیں پہنچ سکتے ———— ہمارے لئے تو یہ لازمی ہے کہ جو عورت بھی کام کرے وہ سیٹھ کی داشتہ یا منظور نظر نہیں بلکہ باقاعدہ دوست ہو۔ ایسی اسکیم پر عمل ہو کہ رام روپ کو پتہ بھی نہ چلے شبہ بھی نہ ہو اور وہ اپنا کام بنا جائے۔

میں تو اب بھی اسی پر قائم ہوں کہ جو ہو والی کوٹھی ہمیں سر راز تک

پہنچائے گی۔ سراغ بھی بتائے گی اور ثبوت بھی بہم پہنچائے گی ــــــــــ

ان تخیلات کے تحت لازم ہے کہ سیٹھ سے اتنی رسم وراہ بڑھائی جائے ایسے طریقۂ کار اختیار کئے جائیں کہ وہ خود اسے وہاں مہمان رکھے۔ پھر کوٹھی کا کونہ کونہ نگاہِ دقیقہ رس وفہیم ودماغ کے سامنے آئے۔ تب کہیں کامیابی کی کوئی صورت نکل سکتی ہے ورنہ برآریٔ مدعا معلوم ــــــــــ

بہرصورت میری یہ اسکیم ہے اور جو آپ لوگ مناسب تصور کریں ــــــ

ــــــــــ میں نے ابتدائی اقدام سوچ لئے ہیں اور جوں جوں آگے بڑھتی جاؤں گی مناسب مناسب راہیں اختیار کرتی جاؤں گی۔

سپرنٹنڈنٹ: میں آپ کی اسکیم اور اس کے کامیابی کے امکانات کو تسلیم کرتا ہوں یہ بھی ماننے کو تیار ہوں کہ اس سے انسب راہ ہو نہیں سکتی تاہم یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ علی مرزا کی تو بات ہی اور ہے میرا دل اجازت نہیں دیتا کہ ایک لمحہ کے واسطے آپ اس موذی کے چنگل میں جائیں اس سے خلا ملا تو در کنار میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ ایسے وحشی درندہ انسان کش کا سایہ آپ پر پڑے۔ جو آپ نے تدبیر سوچی ہے وہ انسب ترین بے شک ہے لیکن اتنا اور غور کیجئے کہ ماتحت

سے کھیلنا ہے اور وہ بھی اس کی بانی ہیں ہاتھ دے کہ میری تو کسی طرح ہمت نہیں پڑتی کہ آپ کو اس راہ پُر خطر میں پڑنے کی صلاح دوں۔

یاسمین: اس حقیقت سے مجھے کب انکار ہے کہ یہ طریقۂ کار بیش از بیش خطرناک ہے لیکن اس امر کو بھی نظر انداز نہ کیجئے کہ ہر انسان کی جان اتنی ہی بیش بہا ہے جتنی میری۔ آپ کو میں عزیز ہوں اور مشکور رہوں لیکن آپ کی رائے کے مطابق اگر کام کیا جائے تو ہمیں کسی اور عورت کو آلۂ کار بنانا پڑے گا اس کی زندگی خطرہ میں پڑے گی اور اس کو بھی چاہنے والے اس غریب کو بھی عزیز رکھنے والے دنیا میں ہوں گے ہم کو کیا حق ہے کہ اپنی جان تو بچائیں اور حصول مدعا کے لئے کسی اور کو بھینٹ چڑھا دیں نیز یہ عرض کئے دیتی ہوں کہ میرا تو اس موذی کی زد میں جا کر بچ جانا ممکن بھی ہے دوسری کوئی زندہ نہیں رہ سکے گی۔ علاوہ بریں شاید آپ یہ حقیقت نظر انداز کر رہے ہیں کہ مجھ کو جو کرشنا سے تعلق خاطر ہے اور جو میرے اس کے تعلقات تھے اُن کے تحت مجھ پر یہ فرض عائد آتا ہے کہ متوفیہ کے قاتل کو کیفر کردار کو پہنچاؤں آپ اس مسئلہ پر محض ایک پولس افسر اور میرے ہمدرد کی حیثیت سے نظر ڈال رہے ہے

ہیں برخلاف اس کے میرا زاویۂ نگاہ ایک دوست کا ہے جناب چند لمحات کے لئے اپنے آپ کو میری جگہ سمجھیں اور پھر غور کریں تو بالیقین میرے ہم خیال ہو جائیں گے۔ معاف کیجئے گا میں ایک فرض شناس پٹھان باپ کی بیٹی ہوں ان کا قول تھا کہ جہاں ڈر وہیں انسان کا گھر ——— جہاں تک مرگ و زلیست کا سوال ہے سو میں اس میں مقدرات کی قائل ہوں۔ آئی ٹلا نہیں کرتی اور وقت مقررہ سے پہلے آ نہیں سکتی۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ آنکھیں بند کر کے خطرہ میں جانا بے وقوفی تصور کرتی ہوں احتیاط انسان کے واسطے لازمی ہے لیکن وہ احتیاط مضر جو قدم آگے بڑھانے سے روکے ——— ——— اگر میری نگاہ میں کوئی اور راہ ہوتی تو ہرگز ہرگز اپنے آپ کو اس خدشہ جانگاہ میں نہ ڈالتی لیکن ایک عرصہ تک پوری طرح غور کرنے کے باوجود کوئی اور راستہ نظر نہ آیا اس وجہ سے اسی کو اختیار کرنے کا تصفیہ کر لیا ہے ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم ———

——— مجھے بھی جان وہ بھر نہیں اپنی زندگی سے ابھی تک اکتائی نہیں ہوں زندہ رہنا چاہتی ہوں اور زندہ رہوں گی ان کو بھی

سمجھا چکی ہوں اور آپ بھی یہ بات مانیں گے کہ عورت نادانی اور بھول کا شکار ہوتی ہے لیکن جب کسی سے آگاہ ہو جائے اور اپنے تحفظ کو مدنظر رکھے نیز دل کے معاملات درمیان نہ ہوں جن میں عورت خود فریبی سے کام لیتی ہے تو پھر وہ مرد بساط حیات پر نہیں جو اس فطری شاطرہ کو مات دے جائے۔

علی مرزا۔ بیگم ثریا بہت مشہور ہے اور یقین جانو تم بھی اس وقت ضد سے کام لے رہی ہو۔ میرا کہنا یہ ہے کہ ایک بار کسی اور عورت سے کام لے کر دیکھ تو لیں اگر پھر بھی خاطر خواہ نتیجہ مرتب نہ ہوا تو پھر تم کو اختیار ہو گا میں کچھ نہیں کہوں گا۔ جہاں تک اس کام میں پڑنے والی عورت کی حفاظت کا سوال ہے وہ پوری پوری کی جائے گی آپ بے فکر رہیں۔

یاسمین۔ علی مرزا میں نے اس پہلو پر بھی پوری طرح غور کر لیا ہے اتنے دن خالی نہیں بیٹھی رہی بادی النظر میں تجویز صرف مناسب ہی نہیں انسب نظر آتی ہے لیکن آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ اگر رام روپ پر یہ چال کھل گئی اور کامیابی نہ ہوئی تو پھر وہ ہر عورت سے چوکنا ہو جائے گا اور

ہمارا یہ آخری حربہ بھی بے سود ثابت ہوگا۔ کاٹ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھا کرتی ایک داؤں ایک ہی بار کام دیا کرتا ہے ——————

نیز جب آپ کو اطمینان ہے کہ دوسری کارکن عورت کی حفاظت کی جا سکتی ہے اور آپ ذمہ لینے کو تیار ہیں تو پھر بندہ نواز میں کیوں خطرہ میں سمجھی جاؤں جس طرح اس کا تحفظ ہوگا میرا بھی ہو جائے گا۔

سپرنٹنڈنٹ اتنے عرصہ یاسمین کو انتہائی قدر دان نگاہوں سے دیکھتا رہا علی مرزا کے چہرہ پر پریشانی اور تشویش جلی حروف میں تحریر تھی تاہم آخر میں یہ طے پایا کہ یاسمین اپنی پوری سکیم جہاں تک بھی اس نے بنائی ہے ان کے سامنے رکھدے پھر غور کیا جائے گا۔ یہ تجویز یاسمین نے بغیر عذر تسلیم کر لی اور کہا۔

یاسمین۔ یہ بات میں بے شک ماننے کو ہمہ وقت تیار ہوں۔ ابھی تک علی مرزا پر تو میں نے . . . کوئی بات ظاہر کی نہیں ہے بلکہ انہیں اپنے خیال کی آج سے پہلے بھنک بھی نہیں پہنچنے دی چونکہ جانتی تھی کہ یہ حضرت تو پہلے ہی قدم سے مخالفت اور اعتراضات کے پل باندھ دیں گے لیکن آپ کے سامنے پیش کئے دیتی ہوں اتنا اور عرض کرنے

کی اجازت چاہتی ہوں کہ جذباتی باتیں تو کسی عنوان نہیں مانوں گی ہاں ہر معقول ترمیم و تنسیخ تسلیم کرنے کو بدل حاضر ہوں ——————

سنئے حضور اوّل تو صحیح طریقہ سے تعارف کا سنگ گراں درمیان ہے اس کے بعد اس تدبیر کا مسئلہ آتا ہے کہ جو ہو کی کوٹھی پہ مہمان رہا جائے جس کوٹھی کی بابت ناچیز پہلے عرض کر چکی ہے کہ بالیقین جرائم کے اکثر ثبوت اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور بیشتر رازوں کی حامل ہے ——————

میں نے اپنی رائے کے مطابق جو طریقہ طے کیا ہے اس میں یہ دونوں منزلیں ایک بار طے پا جاتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ میں مس ڈروتھی ہندوستانی باپ اور سپینش ماں کی بیٹی ہوں نیز زرِ خطیر کی مالک۔ بمبئی پسند ہے اور وہاں بود و باش اختیار کرنے کے لئے کوٹھی بنوانی چاہتی ہوں۔ مختلف عمارتی ٹھیکیداروں کو ٹیلیفون کر کے اور خط لکھ کر بات چیت کر رہی ہوں ازاں جملہ رام روپ کو بھی ٹیلیفون کیا گیا۔ بعض کو خطوط تحریر کئے جائیں گے جن کے جوابات میرے پاس ہوں گے ——————

اس ڈھب اور اس عنوان سے رام روپ سے ملوں گی اور درحقیقت مجھے کوٹھی کی ضرورت ہے بھی۔ کلب لائف سے اکتا گئی ہوں وہاں ہر

وقت ہنگامہ رہتا ہے نیز ایک عام جگہ ہے خلوت نصیب نہیں اور میں گاہ گاہ سکون کی طلب محسوس کرنے لگی ہوں۔ اس سلسلہ میں جو پہلے قدم میں نے اب تک اٹھائے ہیں ان میں سے ایک تو یہ تبدیل لباس ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں دوسرے تغیر نام جو آپ پر ظاہر کر چکی ہوں۔ تیسرے بنک میں جو میری رقم ہے اس کا بڑا حصہ مس ڈروتھی کے نام میں منتقل کرا دیا گیا ہے ——— اب صرف اتنا کرنا ہے کہ کلب چھوڑ کر چند روز کے لئے "تاج" میں جا رہا ہوں اور یہ تمام خط و کتابت نیز ٹیلیفون بازی وہیں سے کی جائے اس سلسلہ میں تاج ہوٹل ایک خط لکھدیا ہے کہ فلاں تاریخ سے ایک کمرہ مس ڈروتھی کے لئے درکار ہوگا یہ سب حفظ ما تقدم اس لئے ہے کہ چالاک رام روپ کو کہیں شبہ کی گنجائش نہ رہے وہ مجھے بالکل بکیہ و تنہا سمجھے اور بمبئی میں قطعاً نو وارد۔ . . . . . اب تک میں پوری طرح یہ اندازہ لگا چکی ہوں کہ رام روپ مجھ سے بالکل آشنا نہیں نیز جس حلیہ میں میں اس وقت جناب کے روبرو بیٹھی ہوں اس روپ میں رام روپ کا باپ بھی مجھے نہ پہچان سکتا ہے نہ شک کر سکتا ہے نیز بد نظر ٹھیکیدار سے باتیں کرتے ہوئے یہ بھی کہدوں گی

کہ ہوٹل کی زندگی اور بمبئی کا شور و غل میری طبیعت کے سخت خلاف ہے اگر کوٹھی بننے کے دوران میں کسی پُرسکون جگہ کوئی معقول کوٹھی کرایہ پر مل جائے تو اچھا ہے وہاں منتقل ہو جاؤں گی ——

مجھے یقین ہے کہ میں اپنے ڈھب سے اسے اس بات پر لے آؤں گی کہ خود ہی جوہو کی کوٹھی میں رہنے کی دعوت دے ——

یہ میری ابتدائی سکیم ہے اس کے بعد حالات کے مطابق کاربند ہوا جائے گا۔

سپرنٹنڈنٹ: محترمہ اگر اس وقت میں اپنے آفس میں ہوتا تو یقین جانیئے اپنی کرسی آپ کے حوالہ کر کے ملازمت سے دست بردار ہو جاتا۔ سچ عرض کرتا ہوں مبالغہ سے کام نہیں لے رہا جو اس وقت اسکوٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین اور کارداں ہوتے تو وہ بھی میری ہم نوائی کرتے —— آپ نے جو سکیم بنائی ہے اس میں کہیں کوئی گنجائش چھوڑی نہیں تاہم ایک بار میں پھر یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ یہ کام سخت خطرناک ہے ایک بار پھر غور کر لیجئے۔

یاسمین: میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں ان خطروں کو میں نے ایک

دفعہ نہیں سو دفعہ سوچ لیا ہے۔ لیکن اب تو یہ کام کرنا ہی ہے دل میں ٹھان لی ہے اللہ کامیاب کرے گا —————— علی مرزا سے بھی اجازت لے ہی لونگی۔

علی مرزا۔ جو تمہاری خوشی۔ مجھے کوئی حق نہیں کہ تم کو تمہارے ارادوں سے روکوں جو رائے تھی عرض کردی پر بے نتیجہ و بے سود اتنا پھر کہے بغیر رہ نہیں سکتا کہ تم غلطی کر رہی ہو یہ ہٹ اچھی نہیں آگے تم جانو تمہارا کام۔

اس جذباتی گفتگو کے جواب میں یاسمین نے علی مرزا پر ایک نظر ڈالی جو زبان حال کہہ رہی تھی کہ منا لیں گے تمہیں ہم۔ اس کا تو نہیں غم۔ اس وقت جو میں چاہتی ہوں کر لینے دو اور مناسب بھی درحقیقت وہی ہے —————— سپرنٹنڈنٹ نے یاسمین سے اتنا اور چلتے ہوئے کہا کہ آپ کو ہم لوگوں کی جس قسم کی اور جس وقت بھی ضرورت ہو اور جو بھی مدد درکار ہو حکم فرما سکتی ہیں۔ دراصل یہ ہمارا کام ہے جو آپ انجام دے رہی ہیں —————— یاسمین نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ جب بھی ضرورت ہوگی آپ کو تکلیف دوں گی مشورہ بھی طلب کروں گی اور امداد بھی۔

دو روز لبعد علی مرزا نے یاسمین کو پھر ٹیلیفون کیا وقت ملاقات مقرر ہوا

———— ان سیاں نے یہ عرصہ انتہائی تردّد اور ذہنی

کوفت میں گذارا تھا بہت بہم پہنچے جانبین کو ایک دوسرے سے تعلق خاطر تھا

گو یاسمین نے ان کو بھی حسب دستور حدوں میں رکھ چھوڑا تھا تاہم جذبات

انس و محبت دونوں رکھتے تھے ۔ اور یہ ان کے درمیان راز نہ تھا یاسمین

جانتی تھی کہ علی مرزا اسے عزیز رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی راہ میں حائل

ہونا چاہتا ہے چونکہ جو راہ وہ اختیار کر رہی تھی وہ انتہائی پرخطر اور اندیشہ

ناک تھی ۔ علی مرزا بھی اپنی جگہ بے خبر نہ تھا کہ محبوبۂ دل نواز اس کی محبت

کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے ۔ علی مرزا کو دیکھتے ہی یاسمین بولی ۔

یاسمین ۔ حضور کا مزاج تو اچھا ہے نصیب دشمناں کچھ طبیعت مکدر

معلوم ہوتی ہے ۔ چتون بتا رہی ہے کہ روٹھے ہوئے سے ہو ۔

علی مرزا ۔ روٹھ کر کیا کر لیں گے فقیر کے لئے تو یہی ایک در ہے یہ

سر مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

جز آستانِ توام در جہاں پناہے نیست

سچ تو یہ ہے کہ ؎

سوچا تھا دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے لاچار جی سے ہم

یاسمین: ماشاء اللہ شعر تو جناب کو خوب یاد ہیں لیکن معاف کیجیے گا حضور نے پڑھے ذرا بے محل کیا بندی اتنا عرض کر سکتی ہے کہ یہ برہمی بغیر سبب یعنی چہ۔

علی مرزا: بس یوں سمجھ لیجئے کہ ؎ ہے اک انداز جنوں یہ بھی!

یاسمین: پھر بھی سبب جنوں ہی بتائیے یہ تو وہی بات ہوئی کہ ؎

بگڑنا روٹھنا یوں بل کی لینا ہر گھڑی مجھ سے
زبردستی بگڑ بیٹھے لو میں نے کچھ کہا بھی ہو

علی مرزا:

اک اک سے پوچھتے ہیں وہ میرے جنوں کا حال
دیوانہ بن گیا ہے کہ دیوانہ ہو گیا

سبب کیا صاحب، سبب کچھ بھی نہیں آپ فکر نہ کریں جناب پر حرف

نہیں آئے گا ہم تو کہہ مریں گے کہ ؎

خدا نہ کردہ وہ کیوں مرگ عاشق کا سبب ہوتے

کسی پہ صدقہ ہو کر مر گیا تھا کوئی دیوانہ

یاسمین: ماشاء اللہ آج کل طبیعت اشعار کی جانب بہت مائل ہے

اچھا شغل ہے۔ کسی نے کہا ہے نہ۔ ؎

شعر گوئی شعار ہے اپنا

ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں

علی مرزا: حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

شعر کہتا نہیں جذبات کہلواتے ہیں،

آگ لگتی ہے تو شعلہ بھی نکل آتے ہیں

یاسمین: آخر کچھ تو مدعا کھلے۔

علی مرزا: ہم سے کیا پوچھنا۔ ؎

اپنی صورت سوال ہے صاحب

دیکھ لو جو بھی حال ہے صاحب

یاسمین: ؎ رنگ زرد ہے ہیں آنکھ میں حلقہ صاحب

دل گنوا بیٹھے ہو آثار تو یہ کہتے ہیں
حال تو بے شک بے حال ہے مستقبل کی خبر نہیں

علی مرزا:

محبت میں خیال و فکر منتقل نہیں ہوتا
جہاں پر عقل ہوتی ہے وہاں پر دل نہیں ہوتا

یاسمین: اب حضور اشعار ہی فرمائے جائیں گے یا کچھ نثر بھی عطا ہوگی حالانکہ نثر کی فرمائش کرتے ہوئے ڈرتی ہوں۔

علی مرزا: کیوں؟

یاسمین: چونکہ آج سرکار کچھ نوابی موڈ میں نظر آرہے ہیں۔

علی مرزا: میں مطلب نہیں سمجھا۔

یاسمین: اجی صاحب ایک روایت ہے کہ کوئی بیچارہ مصیبت کا مارا شاعر کسی نواب صاحب کے ہاں جا پہنچا ملازم کے ہاتھ اطلاع کرائی جواب آیا ابھی تشریف لاتے ہیں ساتھ کے ساتھ سرکار نے اپنی بیاض بھیج دی کہ اتنے آپ اسے ملاحظہ فرمائیں۔ شاعر غریب کو بیٹھے بیٹھے اندھ آگئی۔ دو گھنٹہ گذر گئے اشعار اپنے واجبی ہی واجبی تھے بدقت

کوئی دو گھنٹہ بعد حضور بر آمد ہوئے۔ سلام دعا کے بعد فرمایا آپ نے میرا کلام دیکھا جناب کی کیا رائے ہے یہ میری ساری عمر کی محنت ہے شاعر بھرا تو بیٹھا ہی تھا وہ ہی بات ہوئی کہ کیوں آپ نے چھیڑا اسم کو بولا بہتر ہے کہ جناب شاعری نہ فرمایا کریں کیوں غریب کو خراب کیا ایسے لچر اور پوچ اشعار آج تک میری نظر سے نہیں گزرے۔ جب کہنے نہیں آتے تو جھک مارنے سے فائدہ۔ شعر گفتن چہ ضرور ——————

نواب بھلا اس گستاخی کی کس طرح تاب لا سکتے تھے نوابی غصہ برسرِ کار آیا ملازموں کو حکم ہوا کہ ذرا دماغ درست کریں اور نواب بھی برس پڑے وہ مادر خواہی سنائیں کہ پناہ بخدا نہ رکھی جائیں نہ اٹھائی جائیں ادھر خدام آقا کا حکم پا آستین گرداں کر آن پہنچے تو شاعر فوراً بولا۔ حضور کی نثر نظم سے زیادہ جاندار ہے ——————— سو حضور نثر کی فرمائش کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے۔

علی مرزا: آپ کی بلا ڈرے۔ تو مشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر۔

یاسمین: اجی معاف کیجئے، بس آپ نے لیا خون دو عالم اپنی گردن پر،

کرنے والے کہا نہیں کرتے
کہنے والے کیا نہیں کرتے

علی مرزا: یہ تم کیا کہہ رہی ہو یاسمین

یاسمین۔ صحیح کہہ رہی ہوں بندہ پرور بالکل صحیح کہہ رہی ہوں بس دیکھ لیا،

علی مرزا: کس طرح دیکھ لیا۔

یاسمین۔ اچھی طرح دیکھ لیا تجربہ کرکے دیکھ لیا مشاہدہ کرکے دیکھ لیا۔

علی مرزا: میں سمجھا نہیں۔

یاسمین۔ بندہ نواز میں ایک قاتل کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہی ہوں تو آپ اس درجہ برہم ہیں اور جو خدا نہ کردہ خود کسی ایسے جرم کی مرتکب ہو جاؤں تو جناب کیا کچھ نہ کریں گے۔

علی مرزا:

کیا کریں گے کسی کا ہم صاحب
جان سے اپنی گزر جائیں گے

یاسمین اب تم نے خود یہ ذکر چھیڑا ہے تو میں بھی کہنے پر مجبور ہوں کہ للہ اس خیال سے باز آؤ میں پوری طرح جانتا ہوں کہ میرا تم پر کوئی

زور نہیں لیکن اتنا تو ضرور ہے کہ علی مرزا کو ایک عرصہ سے یاسمین کی دوستی کا شرف حاصل ہے۔ آج میں اسی دوستی کا واسطہ دے کر تم سے درخواست کرتا ہوں کہ خدارا یہ کام نہ کرو۔ تم کو نہیں معلوم کہ یہ دن میں نے کس طرح بسر کئے ہیں۔ یقین جانو انگاروں پہ لوٹتا ہوں اور خار مغیلاں پہ چلا ہوں۔ سینہ میں ایک انی سی لگی ہوئی ہے۔ ایک نشتر سا پیوست رگ جاں ہے۔ . . . مجھے معلوم ہے کہ کرشنا سے تم کو کس درجہ محبت ہے میں تمہارے جذبات سے بے خبر نہیں تاہم ہاتھ جوڑ کر یہ عرض کرنے پہ مجبور ہوں کہ میرے جذبات کی جانب دیکھو اور خدا کے واسطے یہ اقدام نہ کرو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ رام روپ کیفر کردار کو پہنچے گا۔ اسے سزا ملے گی کرشنا کے خون کا انتقام لیا جائے گا خواہ علی مرزا کو اپنی جان کی بازی ہی لگانی پڑ جائے۔

یاسمین ۔ کیوں دوست اگر تم جان کی بازی لگا سکتے ہو تو کیا یاسمین نہیں لگا سکتی۔ اگر یاسمین کسی کو عزیز ہے اس کی جان کسی کو پیاری ہے تو کیا علی مرزا کسی کو عزیز نہ ہوگا اس کی جان کسی کو پیاری نہ ہوگی ——— اس کے علاوہ کرشنا سے تمہارے مراسم میری وجہ سے تھے مرنے والی

کا مجھ پہ زیادہ حق ہے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ یاسمین یہ حق ادا نہ کرے اپنی نگاہوں میں خود ذلیل و خوار ہو جائے ——— علاوہ بریں تم بلا وجہ خائف ہوئے جا رہے ہو یقین جانو میرا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔ کیا تم کو مجھ پر اتنا بھی اعتماد نہیں کہ میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں — یاسمین ایسا تو نرم نوالہ نہیں کہ رام روپ اسے نگل جائے گا۔ بے فکر رہو مچھلی بن کر ہاتھوں میں سے نکل جاؤں گی اور جو نگلنے کی کوشش کی تو کانٹا بن کر حلق میں اٹک جاؤں گی جو نہ اگلتے بن پڑے گا نہ نگلتے ——— میں تم سے اس وقت شرط کرتی ہوں کہ یاسمین اس معاملے میں کامیاب رہے گی اور وہ دن دور نہیں جبکہ تم اسے مبارکباد دو گے۔

علی مرزا۔ ایسا ہی ہو خدا کرے۔ یاسمین تم کو میرے قلب کی حالت نہیں معلوم کیا کروں چیر کر نہیں دکھا سکتا ——— آج تک جو بات سینہ کی گہرائیوں میں چھپائے رکھی اور یہ کہتا رہا۔ ؎

سینہ میں دل ہے دل میں داغ، داغ میں سوز و ساز عشق
پردہ بہ پردہ ہے نہاں پردہ نشیں کا راز عشق

اب اسے پوشیدہ رکھ نہیں سکتا۔ بس اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا کہ تم مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہو۔

افشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اسے سنا تو دیا جان تو گیا

یاسمین۔ (خاص نظروں سے علی مرزا کی جانب دیکھ کر تبسم کناں بولی) جناب کی رائے میں یہ راز پردہ بہ پردہ نہاں ہوگا ہم پر تو نہ صرف آشکارہ بلکہ اظہر من الشمس تھا۔ جناب کے اس اہم انکشاف سے بندی کی معلومات میں تو کوئی خاص اضافہ ہوا نہیں۔

علی مرزا۔ آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔ خدا شاہد ہے کہ آج پہلی بار زبان پہ لایا ہوں اور وہ بھی بحالت مجبوری و لاچاری ورنہ سینہ ہی میں لئے ہوئے مر جاتا اور اپنے ساتھ تہ خاک لے جاتا۔

یاسمین۔ ہم غیب داں ہیں۔ بس موکلوں نے آکر کہدیا۔

علی مرزا۔ پھر بھی معلوم تو ہو۔ میں نے تو آج تک اس کے متعلق ایک حرف زبان سے نہیں نکالا۔

یاسمین۔ میرے بھولے دوست مرد بھی کہیں کوئی راز چھپا سکتا ہے

اور وہ بھی اس قسم کا ——— پہلے ہی دن سے حضور کی صورت سوال تھی جو بات آج زبانِ قال نے ظاہر کی وہ آپ کے چہرہ کے بھاؤ تاؤ مجھ سے روزانہ زبانِ حال میں کہا کرتے تھے ———

اس وقت کرشنا ہوتی تو شہادت دیتی کہ یاسمین پہلے ہی دن سمجھ گئی تھی۔

علی مرزا۔ ہرگز نہیں۔ میں نے آج تک اپنے کسی قول و فعل سے آپ پر اپنی محبت ظاہر نہیں ہونے دی اور نہ تادم واپسیں اظہار کرتا لیکن کیا کروں اس وقت تمہاری بے جا ضد اور بے معنی ہٹ نے مجبور کر دیا۔

یاسمین: یہ بات ہے۔ جناب کو اعتبار نہیں بہت اچھا بندہ پرور ٹھیرے رہئے گو کرشنا گواہی دینے کو نہیں ہے تاہم اس وقت بھی یاسمین کے پاس ایک خموش شاہد موجود ہے۔

علی مرزا۔ پیش کیجئے۔

یاسمین۔ کیا دو گے۔

علی مرزا۔ جو مانگو سو پاؤ۔

یاسمین۔ اس تفتیش کے معاملے میں میں اپنی من مانی کر لوں بخوشی

یہ اجازت دلواؤ۔

علی مرزا: بیگم پہلے اپنا شاہد تو لاؤ۔

یاسمین: (پرس میں سے ڈائری نکالتے ہوئے) بہت خوب حضور جو حکم آپ کو یاد ہے ہم اور آپ اسی سال نینا پیرا ایو پر سی۔ سی۔ آئی میں ملے تھے۔

علی مرزا۔ خوب یاد ہے صاحب ایک لمحہ کو نہیں بھولا۔ آپ نیلی ساڑی میں تھیں۔ مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

یاسمین۔ (ڈائری میں سے تاریخ نکال کر کچھ سطور پر انگلیاں رکھ کر) ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر تھا آج ایک پولس افسر علی مرزا سے ملاقات ہوئی فتراک سے باندھ لیے گئے۔

علی مرزا۔ آگے کیا لکھا ہے وہ بھی دکھاؤ۔

یاسمین۔ اس کا ابھی وقت نہیں آیا ہے۔

علی مرزا: تمہیں میری (قسم کہنے کو تھا کہ یاسمین نے دست نازک منہ پر رکھ دیا اور کہا۔)

یاسمین۔ جو اپنی قسم دی تو یاد رکھنا ہمیشہ کو کٹی ہو جائے گی۔

علی مرزا۔ بیگم عورت ذی شعور ہے تو مرد بھی نرا بھوندو نہیں۔

———— ہم بات پا گئے۔ ادھر لا ہاتھ مٹھی کھول یہ چوری

یہیں نکلی ———— اب جناب آگے کا لکھا دکھائیں یا نہ دکھائیں

آپ کو اختیار ہے ———— تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے بس

خط کا مضموں تاڑ جاتے ہیں لفافہ دیکھ کر

آدمی پہچانا جاتا ہے قیافہ دیکھ کر

بیگم۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی۔ یہ رازداریاں بے سبب نہیں۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ آپ نے مرد کو دکھا ایک جھٹکے ہی میں حضور سے قبلوا لیا اب تحریر چھپانی بے کار ہے آگے آپ کو اختیار ہے ہم کو اب کوئی اصرار نہیں۔

یاسمین (الجھا کر) تم بڑے وہ ہو۔ اپنی رائے میں جناب سب کچھ پا گئے بڑے سمجھدار قربان اس فراست کے یہ آپ کی خوش فہمیاں ہیں جو ابھی غلط فہمی میں تبدیل ہوئی جاتی ہیں ڈائری اپنی نظروں کے سامنے کر کے) سنئے آگے کیا لکھا ہوا ہے۔ لیکن کچھ پاگل سا انسان ہے مجھے پسند نہیں۔

علی مرزا۔ ہم کو دکھاؤ تب مانیں۔ بندہ کو بھی پڑھنا آتا ہے۔ غلام قدرے خواندہ ہے بالکل جاہل نہیں۔

یاسمین۔ پڑھ کر سنا دیا اب ڈائری دکھانی ہی کیا ضرور ہے خیر سے آپ بڑے تعلیم یافتہ ہیں اتنی معمولی سی بات تو جانتے نہیں کہ دوسرے کی ڈائری کبھی نہیں پڑھنی چاہیئے اور خصوصاً لیڈیز کی ڈائری۔ جو تحریر تھا ہم نے آپ کو خود سنا دیا مشہور مقولہ ہے کہ تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔

علی مرزا: نہ دکھایئے محترمہ۔ ہم کب اس پر تکرار کرتے ہیں۔ آپ کی خوشی بسر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ ہمارے تو بھر پائے ہو گئے مجھے اب چاہیئے کیا اپنا وہ دیوانہ کہتے ہیں۔

یاسمین۔ یہ اپنا جناب نے اپنی طرف سے بڑھا لیا۔ ماشاء اللہ چہ خوش چرانہ باشد۔

علی مرزا: بہر نوع ہمارا مدعا پورا ہوا۔ اب التجا یہ ہے کہ خدا را اس دیوانہ کی مان جایئے۔

یاسمین: سہ

وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں میری مان جائیے
اللہ تیری شان کے قربان جائیے

علی مرزا بات ماننے کی ہوتی تو میں بلا عذر مان جاتی لیکن تمہاری یہ ضد غلط ہے، ایک دفعہ سمجھا دیا سو دفعہ سمجھا دیا کہ بغیر میرے آگے بڑھے یہ کام انجام نہ پا سکے گا پھر بھی آپ وہی مرغے کی ایک ٹانگ کیئے جاتے ہیں۔

علی مرزا۔ بہت اچھا سرکار آپ کی خوشی لیکن اتنا ہم بھی کہے دیتے ہیں کہ اب یہ دیوانہ بھی سایہ کی طرح آپ کے ساتھ رہے گا۔

یاسمین: وہ کیونکر ؟

علی مرزا: دیکھ لیجئے گا۔

یاسمین نے دریافت کرنے پہ اصرار کیا لیکن علی مرزا آگے کچھ نہ بولا اور کہا حالات خود بتا دیں گے۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد علی مرزا رخصت ہوا۔

دوسرے دن یاسمین کے کمرے پہ کسی نے آواز دی اس نے اندر بلا لیا آنے والا ملازم تھا اور علی مرزا کا خط لایا تھا۔ بیگم نے خط لے کر

پڑھا جواب لکھ کر جو مڑیں تو بجائے ڈاڑھی والے ملازم کے کلین شیوڈ علی مرزا سامنے کھڑا تھا یاسمین متحیر ہو گئی بولی تم نے کمال کا روپ دھارا واللہ ہیں ذرا نہیں پہچان سکی حتےٰ کہ شبہ بھی نہ ہوا علی مرزا نے کہا بندہ نواز بہرہ کا بن ہم نے لیا یار کی خاطر۔ اگلے زمانے والے عاشق جاں باز جوگی کا روپ دھارتے تھے اب دنیا نے بھی روپ بدلا ہے عشاق موقعہ شناس بھی بجائے جوگی کے بہرے بننے لگے وہ جنگل صحرا بیابان بساتے تھے ہم ہمہ وقت محبوب کے قریب خدمت میں رہتے ہیں ——

—— یاسمین نے کہا پھر بھی اس سے بدھا جواب ملا وہ ہی جو خانہ زاد عرض کر چکا ہے کہ ہر وقت اس بھیس میں آپ کے دم کے ساتھ ساتھ رہیں گے —— جب آپ جیسی تیز چشم دقیقہ رس خادم کو نہ پہچان سکیں تو بھلا رام روپ کیا پہچان سکتا ہے ——

بندہ نے کل سے دفتر سے چھٹی لے لی ہے اور سرکار کی ملازمت میں آ گیا ہوں۔ درم ناخریدہ غلام ہوں تنخواہ کی کوئی ضرورت نہیں صرف روٹی کپڑے پر پڑا رہوں گا —— سپرنٹنڈنٹ صاحب سے بات کر لی ہے ان کے سامنے بھی اسی روپ میں گیا تھا قطعاً نہ پہچان

سکے وہ مجھ سے متفق ہیں اور پیغام بھیجا ہے کہ انسب ترین شکل یہ ہی ہے کہ خانہ زاد اس بہروپ میں آپ کے قدموں سے لگا رہے سپرنٹنڈنٹ صاحب بذات خود اس کا ذمہ لیتے ہیں کہ رام روپ تو رام روپ اس مردود کا باپ بھی اٹھ آئے تو مجھے نہیں پہچان سکتا۔

یاسمین۔ (مسکراتے ہوئے) لونڈی ہر حکم ماننے کو تیار ہے جیسی آپ کی خوشی۔

یہ الفاظ اس غنچہ دہن نازنین نے کچھ ایسے نیاز مندانہ انداز سے کہے کہ علی مرزا کی نظریں قدم بوس ہوتی ہوئی اٹھیں اور بلائیں لینے لگیں۔

اسکیم پر عمل در آمد شروع ہوا ——— یاسمین مس ڈروتھی کے نام سے تاج ہوٹل میں جا بسیں علی مرزا محکمہ سے چھ ماہ کی رخصت لے وطن روانہ ہو گیا ——— یاسمین جن کو اب ہم مس ڈروتھی کہیں گے مختلف عمارتی ٹھیکیداروں سے خط و کتابت کرنے لگی اسی سلسلہ میں ایک مراسلہ رام روپ کو بھی بھیجا۔ سب کے پاس سے مختلف جوابات

آنے شروع ہوئے ——— رام روپ سے زبانی گفتگو
کے لئے وقت مقرر ہوا بیگم کا بہرہ عبداللہ خان یعنی ہمارا اعلیٰ مرزا جس کو
اب ہم اسی نام سے پکاریں گے دستی پرچہ بھی لے کر گیا اور جوابات لایا۔
طے شدہ وقت اور مقررشدہ تاریخ پر ڈوروتھی کی ملاقات سیٹھ سے ہوئی
——— نظریں رُخ روشن پر جم کر رہ گئیں یہ بھی غضب سے
بارہ ابرن سولہ سنگار کرکے پہنچی تھیں۔ پہلے ہی وار میں انہی محترمہ کے بقول
فتراک سے باندھنا منظور تھا اس لئے ماشاءاللہ پورے ساز و سامان سے
گئی تھیں اپنی تیر و سنان بھرپور تیز کرکے ——— نشیلی انکھڑیوں
میں دنبالہ دار سرمہ رُخِ انور پر میکس فیکٹر کا سوسائٹی میک اپ ———
——— کِس پروف لپ اسٹک کا رنگ گلال لبِ گل رنگ
پر ——— لباس اشتعال انگیز و جذبات خیز و خرد سوز جادوں میں
عریانیاں لئے ہوئے۔ اس سب پر ادائے آوارگی کا لطیف سا چھینٹا منتزاد
. . . . غرضیکہ یہ برق ——— صاعقہ بن کر رام
روپ پر گری ——— کاروباری گفتگو سے گزر کر باتیں کیں نگہ
غلط انداز سے دیکھا۔ گوشۂ چشم سے وار کئے ——— دزدیدہ

نگاہی سے دل چرایا ——— عورت بغیر خود آگے بڑھے بھی ہمت افزائی کر سکتی ہے ——— اس فتنہ ساماں کی معصوم ادائیں بھی دعوت گناہ کی حامل ہو جاتی ہیں ——— ان بنات حوا کی ویکھن امیدوں اور آرزوؤں کے طوفان برپا کر دیا کرتی ہے اور یہ بی جمالو بھیس میں چنگی ڈال سنتی سیتا الگ کی الگ رہتی ہیں۔

اس موقعہ پر بھی ایسا ہی ہوا۔ رام روپ عقل و خرد تج اس بُتِ فرنگی اور لعبت چلبلی کے قدموں میں آن رہا۔

وہ بے خبر بزنس مین اپنی رائے کے مطابق سمجھتا تھا کہ معاملہ میں کچھ رعایت کرانے کے لئے یہ سب التفات ہے یہاں مدنظر کچھ اور ہی تھا ——— غرضیکہ معاملات بڑی حد تک طے پا گئے۔ عمارتی گفتگو کے ساتھ ساتھ دوستانہ رسم و راہ کی بھی بنیاد پڑ گئی۔ رام روپ نہ جانتا تھا کہ یہ درحقیقت اسے پچانسنے اور کیفر کردار کو پہنچانے کی بنا ڈالی جا رہی ہے یہ کوٹھی بنوانا تو بہانہ ہے اصل میں اس کی بنی بنائی عمارت ڈھانی مدنظر ——— بہر نوع چائے اور ڈنر کے بلاوے طرفین سے آنے جانے لگے۔ شام کو گاہ گاہ سیٹھ موٹر میں بھی اس بت طناز

کو سیر کے لئے ساتھ لے جاتا۔ اُس نے لاسہ پر لگانے اپنا گرویدہ بنانے
اور زیر بار احسان کرنے کے لئے بیگم کو ریس کی بھی ایک دو ٹپس دیں۔
جن میں ڈروتھی نے اچھی خاصی رقم رول لی۔ سیٹھ بولا لیجئے آپ کی کوٹھی کا
خرچہ تو نکل آیا۔ . . ڈروتھی نے الفاظ کے ساتھ ساتھ نظروں
سے بھی اظہار امتنان کیا سیٹھ ریشہ خطمی ہو گئے سمجھے پالا مار لیا یہ نہ جانتے
تھے کہ بڑی تیز سے پالا پڑا ہے۔

ایک روز باتوں باتوں میں ڈروتھی نے کہا کہ ہوٹل کی زندگی سے میں
تنگ آگئی ہوں ہر وقت سر پہ بینڈ بجتا رہتا ہے ساری ساری رات
ادھم رہتی ہے کمرہ کے سامنے برآمدہ میں ہمہ وقت آرجار۔ ایک لمحہ سکون
کا میسر نہیں آتا خدا جانے یورپ میں لوگ کس طرح عمریں ہوٹلوں میں گزار
دیتے ہیں میں تو اتنے ہی سے دن میں اکتا گئی ــــــــــــــــــــ

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں سیٹھ بہادر نے فوراً نہایت فراخ حوصلگی سے
اپنی جوہو والی کوٹھی پیش کی اور کہا آپ بخوشی وہاں رہیں خالی پڑی رہتی ہے
ہے میں تو کبھی کبھار ادھر چلا جاتا ہوں۔ ڈروتھی نے شکریہ ادا کرتے ہوئے
کہا آپ کو تکلیف ہو گی۔ اور یہ میں کسی حالت میں نہیں چاہتی جہاں اتنے

دن یہاں گزارے ہیں کچھ عرصہ اور بھی گزار ہی لوں گی ہیں نے سوچا ہے کہ بنڈ میں چلی جاؤں گی وہاں ذرا تاج کی نسبت ہنگامہ آرائیاں کم ہیں آپ کے ویسے ہی مجھ پر احسانات کیا کم ہیں کاش کسی وقت اتار سکوں آخری فقرہ کے ساتھ سیٹھ کی جانب ایک خاص ادا سے دیکھا بھی——

ان کے دل کی کلی کھل گئی اور بولے دوستوں میں احسان کا اور احسان اتارنے کا کیا سوال۔ حساب دوستاں دردل۔ بہر نوع اگر آپ میرا کوئی احسان سمجھتی ہیں تو وہ اس شکل میں اتار دیجئے کہ یہ پیش کش منظور فرمالیں۔ میں احسان مند ہوں گا اور یہ آپ نے کیا فرمایا کہ مجھے تکلیف ہوگی۔ بندہ نواز آپ کا وہاں رہنا خادم کے واسطے عین راحت ہے۔ میری خوشی یہی ہے کہ آپ کل ہی اپنا تمام سامان وہاں لے جائیں اور آج سے وہ کوٹھی اپنی ہی سمجھیں حکم ہو تو قبالہ بھی آپ کے نام کردوں۔ میں اول تو وہاں بہت کم شاذ و نادر آتا جاتا ہوں اگر کبھی احباب اصرار کرتے ہیں یا سکون کی تلاش ہوتی ہے تو کچھ وقت وہاں گزار لیتا ہوں جس کا اب بہت ہی کم وقت ملتا ہے کاروبار اتنا پھیل گیا ہے کہ اتنی مہلت ہی نصیب نہیں ہوتی اور ایسا ہی ہے تو اگر آپ اجازت دیں گی تو ایک دو دن

کسی بھی بڈ روم میں گزار لیا کروں گا وہ بھی برسوں کی برسات ہیں ——

ڈروتھی نے کرایہ کی بابت دریافت کیا تو جواب ملا کہ وہ کوٹھی تو آج سے آپ کی ہو گئی بندہ اگر آپ کی اجازت سے کبھی آئے گا تو کرایہ ادا کر دیا کریگا۔

دوسرے روز ڈروتھی اپنے سامان سمیت جو ہو کی کوٹھی میں جا براجیں سیٹھ نے صبح ہی اپنی موٹر اور ایک ٹرک اسباب کے لیئے بھیجدیا۔۔۔۔

شام کو میزبان خود بھی آئے دونوں نے ساتھ چائے پی حسین ڈروتھی نے خود ایک ایک چیز پیش کی اصرار کر کے کھلائی دوران گفتگو میں سیٹھ نے کہا کہ اگر آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف ہو تو جناب خود ذمہ دار ہوں گی اس لیئے کہ یہ آپ ہی کا گھر ہے میرا کوئی تعلق نہیں ۔ میں تو اگر آپ اجازت عطا فرمائیں گی تو مہمان طریق آن ٹپکوں گا ورنہ وہ بھی نہیں ۔ ڈروتھی مسکرا کر بولی ۔ میں آپ کو مستقل طور پر مہمان رکھنے کو تیار ہوں صرف ایک ہزار روپیہ روز رہنے اور کھانے کا دینا ہوگا یہ کنسشن ریٹس ہیں اور وہ اس وجہ سے کہ ہمارے آپ کے دیرینہ مراسم ہیں ۔ سیٹھ بولا منظور ہے ابھی کونٹریکٹ سائن ہو جائے —— ڈروتھی نے کوٹھی کی بہت تعریف کی اور کہا مجھے یہاں سکون مل گیا وہاں تو شب وروز

عذاب میں تھی چوبیس گھنٹہ غل میں تو آپ کی عنایت سے جنت میں آ گئی الفاظ نہیں کہ شکریہ ادا کر سکوں لیکن ایک تکلف سمجھ میں نہیں آیا آخر یہ کیا بات ہے کہ کھانے کا انتظام بھی آپ ہی کی طرف سے ہو رہا ہے یہ میں کچھ مناسب نہیں سمجھتی اگر آپ مہربانی فرما کر اجازت دیں تو یہ میں خود کر لوں۔ سیٹھ نے مسکرا کر ٹال دیا اور کہا یہ کونسی بڑی بات ہے کیا میرا اتنا بھی آپ پر حق نہیں وہ ہوتا ہی کیا ہے ایک آدمی کا کھانا کوئی بات بھی ہو آپ بھی اتنی سی بات کا خیال کرتی ہیں۔ میں ہوں کس قابل۔ وہ بولی سیٹھ صاحب ایک دو دن کا قصہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اب تو مجھے یہاں کم و بیش چھ مہینے رہنا ہو گا ان حالات میں یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا جواب ملا خیر آگے چل کر دیکھا جائے گا ابھی کچھ دن تو رہیں پہلے ہی دن آپ کو فکر پڑ گئی۔

بیگم کے ساتھ ان کا ملازم عبداللہ بھی تھا جب محترمہ کا سامان تانگے سے لدوا کر لایا تو اس میں دو چیزیں نئی پائیں جن کو دیکھ کر اسے قدرے حیرت ہوئی ایک تو کوئی دس پندرہ سفید چوہے نہایت خوبصورت اور قیمتی پنجرہ میں بند دوسرے ایک عدد بلی۔ عبداللہ اس وقت تو میم صاحب

کا سامان لدوا رہا تھا بہرہ کی کیا مجال کچھ پوچھ نہ سکا تاہم ان دونوں کی نظریں ملیں ضرور اور ڈرو تھی اس کے استعجاب پہ ذرا متبسم ہوئیں بعد میں اس نے موقع پاکر دریافت کیا تو جواب ملا۔ ہم سیٹھ کی کوٹھی میں چوہا بلی کھیلیں گے یہ چپ ہو گیا لیکن دل میں سوچتا رہا کہ اس میں کیا مصلحت پنہاں ہے پر کچھ سمجھ میں آیا نہیں۔

سیٹھ تیسرے چوتھے دن گھنٹہ دو گھنٹہ کو آجاتا کبھی کبھی کوٹھی کو دیکھنے یہ بھی ساتھ چلی جاتیں۔ جوہو کے کنارہ چاء پی جاتی۔ عبداللہ سر دکرتا رہتا اور ہمہ وقت دم قدم کے ساتھ ———— بیگم نے کوٹھی کے برآمدہ میں ایک کمرہ اسے دیدیا تھا چونکہ سا گر بیٹے دور تھے اور وہاں سے آنے میں دیر لگتی تھی۔

عبداللہ خاں کی ڈیوٹی تھی کہ روزانہ صبح چوہوں کو گنے ان کو دانہ پانی دے ———— چند روز بعد سے چوہے کم ہونے شروع ہوئے۔ بہرہ نے رپورٹ کی۔ میم صاحب بولیں دل ہم تم سے اپنے چوہے لے گا۔ ہم نہیں جانتا یہ کم کیسے ہوتا ہے ————

عبداللہ خاں نے کہا بس میم صاحب تو بن چکیں یہ فرمایئے کہ آپ کر کیا رہی

ہیں یا بس اس کوٹھی میں آن کر رہنے ہی کا شوق تھا اور بس۔ ڈروتھی بولی

بات تو یہی ہے یہاں اطمینان سے رہیں گے کون مفت کے خرخشہ میں پڑے

عبداللہ خاں نے کہا اور ہم ساری عمر بہرہ ہی بنے رہیں خیر اپن تو اس میں

بھی راضی ہیں ——— ڈروتھی اس کا ہاتھ پکڑ زینہ میں لے

گئی آدھی سیڑھیوں پہ پہنچنے کے بعد موڑ پر جو چوکا تھا اس سے اوپر کی

سیڑھی پہ ٹھوکر ماری۔ برابر کی دیوار کھلی یہ عبداللہ خاں کو ساتھ لے کر

اس میں داخل ہوئیں۔ اندر چوکھٹ پہ ایک بٹن تھا اسے دبایا دروازہ بند

ہو گیا اور ساتھ کے ساتھ اندر روشنی بھی ——— ایک

اور بٹن دبانے سے فرش نیچے کی طرف جانے لگا اور کوئی دو منٹ میں یہ

دونوں ایک بہت بڑے اندھیرے تہہ خانہ میں تھے ———

یہاں اکثر و بیشتر رام روپ کے جرائم پوشیدہ کے ثبوت موجود ہر ہر

چیز کسی نہ کسی خفیہ گناہ کا پتہ دے رہی تھی منہ سے داستانیں سنا رہی تھی

——— عبداللہ خاں ان خموش گواہوں کو لگا اٹھانے۔

ابھی ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ خبردار جو کسی چیز کو چھوا ہو گا۔

عبداللہ خاں۔ کیوں ؟

ڈروتھی۔ تم نہیں جانتے عورت کی نظر پہچانتی ہے یہاں اس بے قرینگی میں بھی ایک قرینہ ہے سیٹھ دیکھتے ہی پہچان جائے گا کہ غیر قدم یہاں آئے ہیں متجسس سراغ جو یا انگلیوں نے اس کے نشانات جرائم کو چھوا ہے نیز یہ تمام ثبوت بھی ناکافی ہیں یہ تمام و کمال شہادتیں بھی اس شیطان کو سولی کے تختہ تک نہیں پہنچا سکتیں عذر کیئے جا سکتے ہیں۔ بہانے گھڑنے کی گنجائش ہے۔ ہم کو اسے ایک ہی وار میں جہنم واصل کرنا ہے اور کوئی راہ فرار باقی نہیں رکھنی۔ اس وجہ سے اسے آگاہ یا مشتبہ کر دینا قرین مصلحت نہیں۔

عبداللہ خان۔ جو حکم سرکار۔ لیکن ذرا یہ تو فرمایئے کہ اس پوشیدہ مقام کا آپ نے پتہ چلایا کیسے میری تو عقل دنگ ہے شاید ساری عمر بھی کوشش کرتا تو یہاں نہ پہنچتا۔ اجازت دیجیئے کہ آپ کے روبرو . . . زانوئے شاگردی تہ کروں۔

ڈروتھی۔ مان گئے نہ آخر۔ ہم نے نہیں کہا تھا کہ یہاں ہم ہی کامیاب ہو سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔ آپ کو یاد ہے میں نے پہلے ہی دن کہا تھا کہ جو ہو کی کوٹھی میں سب راز ملیں گے اور سارے کھوج اس کے بعد

جناب نے جب چوہوں کے پنجرہ پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے استفسار فرمایا تھا تو بھی میں نے یہی جواب دیا تھا کہ کوٹھی میں ہم چوہے بلی کا کھیل کھیلیں گے۔ پھر یہاں آنے کے بعد میرے کچھ چوہے گم ہونے لگے بس یہ سارا راز انہی نے کھولا یہ راہ انہی کی وساطت سے ملی ورنہ ہم اندھیرے میں ٹٹولتے رہتے اور پتہ نہ پاتے۔

عبداللہ خاں۔ چوہوں نے کس طرح رہبری کی۔ میں اب بھی کچھ نہ سمجھا۔

ڈروتھی۔ اگر اب بھی نہ سمجھے وہ تو اس بُت سے خدا سمجھے۔

عبداللہ خان۔ ؎

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

لیکن اتنا ملحوظ خاطرِ عاطر رہے کہ ع

کوسنے ان کے دُعا ہو کے ہمیں لگتے ہیں

آخر سرکار کچھ تو بتائیں کہ چوہوں سے سراغ کیوں کر ملا۔

ڈروتھی۔ صاحب مجھے پہلے دن سے یقین تھا ——————

پھر تو ع اب یہاں سے چلئے باہر نکل کر باتیں ہوں گی ——————

معاف کیجئے گا بندی اپنے آپ کو تنہا اس خطرناک مقام پر کسی مرد کے ساتھ محفوظ تصور نہیں کرتی۔

عبداللہ خاں :-

اللہ رے بدگمانی وہ کہہ رہے ہیں مجھ سے

جی ڈر رہا ہے تم سے مردوں کا کیا بھروسہ

حضور نے اس غلام کا غلط اندازہ لگایا۔

ڈروتھی :- بھولے بالم جو غلط اندازہ لگاتی تو یہاں تمہارے ساتھ نہ آتی

عبداللہ خاں نے اس فقرہ کا الفاظ میں بھی شکریہ ادا کیا اور نظروں سے بھی۔ دل پابوس ہو کر جذبات تشکر و امتنان پیش کرنا چاہتا تھا۔

دونوں اوپر آئے ان کو جب باتیں کرنی ہوتی تھیں تو کوٹھی میں یہ سلسلہ کبھی نہیں کرتے تھے بلکہ موٹر میں بیٹھ کر نکل جاتے راہ میں گفتگو ہو جاتی ڈروتھی کی مصلحت اندیش رائے میں یہ بہترین اور محفوظ ترین طریقہ تھا۔

ایسا ہی اب بھی کیا ———— راستہ میں پھر سر رشتۂ گفتگو اٹھا لیا گیا۔

عبداللہ خاں : ہاں تو حضور والا کو پہلے ہی دن کیا یقین تھا۔

وڑدھی۔ میں پوری طرح جانتی تھی کہ اس کوٹھی میں کہیں نہ کہیں پوشیدہ اور خفیہ مقامات ضرور ہیں جہاں یہ ابلیس جرائم کرتا بھی ہے اور ان کے ثبوت چھپاتا بھی ہے لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ اس ماہر جرائم پیشہ نے وہ اس طرح بنائے ہیں کہ چشم آدم باوجود کوشش انہیں پا نہ سکے ——
تاہم جہاں انسان کی نگہ دقیقہ رس و عقدہ کشا نہیں جاتی وہاں جانور اپنی حفاظت کے لئے راہ پا جاتے ہیں۔ اس تخئیل کے تحت چوہے اور بلّی ساتھ لائی تھی تاکہ ایک مقام تحفظ اور جائے امن تلاش کرے اور ایک اس کا تعاقب . . . . . . اکثر رات کو چوہے چھوڑے اور بلّی ان کے پیچھے ڈالی۔ آخر الذکر کے گلے میں ڈوری باندھے رکھی تاکہ چوہوں کو ڈر تو رہے لیکن جائے پناہ ڈھونڈھ نکالنے کا موقع ملے لیکن مدعا حاصل نہ ہو۔

عبداللہ خاں۔ پھر۔

وڑدھی۔ صبر سے کام لیجیے۔

عبداللہ خاں۔ کس کس معاملہ میں صبر سے کام لوں۔ یہ بھی ایک دفعہ فرمادیجیے۔ سو

عاشق سے بھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل؟
وہ کام تو کہتا ہے جو آتا نہیں مجھ کو

ڈروتھی ؎

منشیں ترش تو از گردشِ ایام کہ صبر
گرچہ تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

عبداللہ خاں: اگر کوئی امید ہو تو صبر بھی کئے بیٹھا رہوں ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال میتواں بتمنا گریستن

ڈروتھی: انسان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ناامیدی کفر ہے۔

عبداللہ خاں: یہ بات ہے۔

ڈروتھی - ایک عام بات ہے۔

عبداللہ خاں - یہی تو آپ میں ایک خاص بات ہے کہ امیدیں باندھ کر ڈھا دیتی ہیں ——— یاد رکھئے مجھے بھی پھر آپ کو بجائے لعنت مجبوری وہ ہی کال کوٹھری جھکانی پڑے گی ——— راستہ آپ نے ابھی دکھا ہی دیا ہے۔

ڈروتھی۔ دیکھا جائے گا۔ اب آپ بات سنتے ہیں یا اپنی کہے جائینگے

عبداللہ خاں۔ سُن تو رہا ہوں پر اس کم بخت دل کو کیا کروں۔

ڈروتھی۔ دماغ کی لگام دیجیے۔

عبداللہ خاں:۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

ڈروتھی۔ اچھا تو اب جناب شعر ہی پڑھے جائیں۔ ہم کچھ نہیں کہتے۔

ہاں تو کچھ اور عطا ہو۔

عبداللہ خاں:۔

بعزمِ توبہ سحر گفتم استخارہ کنم!
بہار توبہ شکن میرسد چہ چارہ کنم

میں کیا کروں آپ کی زلفوں کی گھٹائیں اور نگاہوں کی چشمک زنی

دیکھ کر دلِ دیوانہ مانتا نہیں۔

ڈروتھی۔ واہ واہ حضور نے کیا شعر فرمایا ہے۔ ماشاء اللہ۔ آپ

ہی کا حصہ ہے۔ کیا زبان ہے کیا بیان ہے جواب نہیں لیکن بندہ پرور اتنا

عرض کرنا چاہتی ہوں کہ بندی شعر سمجھتی ہے سرکار شرح کرنے کی تکلیف نہ گوارا فرمائیں۔ ہاں حضور کچھ اور۔

عبداللہ خاں۔ آپ کی سمجھداری کے تو ہم قائل ہیں۔ سنیئے ؎

بھولے بھالے ہیں مگر سب کی خبر رکھتے ہیں
دل میں گھر کرتے ہیں نیچی جو نظر رکھتے ہیں

ڈروتھی۔ اچھا شعر ہے کس کا ہے۔

عبداللہ خاں: کرم اللہ خاں شیدا کا۔ شکر ہے آپ کو پسند آیا۔ اسی شخص کی بابت حالی نے کہا ہے ؎

لطف ہم داستانئ شیدا
تو نے آخر کو بے وفائی کی

ڈروتھی۔ خوب کہا ہے صاحب کیا کہنے۔ ہاں کچھ اور ارشاد ہو۔

عبداللہ خاں ؎

بعشقم مبتلا کردی چہ کردی
دلم درد آشنا کردی چہ کردی

ڈروتھی۔ ماشاء اللہ۔ مطلع، مطلع انوار ہے ہاں اور بھی کچھ۔

عبداللہ خاں :-

درونِ سینۂ من زخمِ بے نشان زدۂ
بحیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدۂ

ڈروتھی۔ جذاک اللہ کیسا چبھتا ہوا شعر ہے۔ تعریف سے مستغنی۔ ابھی تشنگی باقی ہے کچھ اور ارشاد ہو۔

عبداللہ خاں :-

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمی کردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

ڈروتھی۔ روشن کن دل ہے یہ مطلع۔ سبحان اللہ۔ لیکن کیا سرکار فارسی ہی بگھارے جائیں گے۔ ذرا کچھ اردو بیچاری کی جانب بھی اعتنا فرمائیں یہ بھی مرہونِ التفات رہے۔

عبداللہ خاں :-

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

ڈروتھی: محبت کی کس درجہ جامع اور مکمّل تعریف ہے۔ بہت خوب

صاحب بہت خوب۔ اتنا خیال رہے کہ ہم رند دُردی کش ہیں۔ نہ رُکے دور
ترا اے ساقی۔

عبداللہ خاں :۔

عشق بُرے ہی دھیان پڑا ہے چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھیر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

ڈروتھی۔ میرؔ کے کیا کہنے عجب سوز و گداز ہے۔ اسی شعر پہ تو انہوں
نے لکھنؤ میں کہا تھا کہ میرے اشعار کی لغت جامع مسجد کی سیڑھیاں ہیں۔

کیا کہنے حضور۔ :۔

دَور چلے دَور چلے ساقیا
اور چلے اور چلے ساقیا

عبداللہ خاں :۔

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہونگے

ڈروتھی۔ یہ تو زبان ہی منہ سے بول رہی ہے کہ میں دہلی کی ہوں۔

:۔ دَور رکنے نہ پائے اے ساقی

ابلیس

تشنگی ہم کو ہے بہت باقی

عبداللہ خاں۔

چہ کنم خاطرِ صیاد عزیز است مرا
ورنہ از کشمکشِ دام بتنگ آمدہ ام

ڈروتھی۔ اور جہاں دانہ بھی ہو دام بھی ہو۔

عبداللہ خاں۔ وہاں مرغِ دانا بھی گرفتارِ بلا ہوتا ہے۔

ڈروتھی۔ کیا کہنے جناب کی حاضر جوابی کے۔ خیر سے باتیں بھی مصرعوں میں کرتے ہیں اور کچھ عطا ہو۔

عبداللہ خاں

تری نگاہ کے مجروح ہیں اور بھی تو کئی
کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی
نگہ یہ مجھ سے ہی کی ترک تو نے بات نئی

درونِ سینۂ من زخمِ بے نشان زدہ
بحیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدہ

ڈروتھی۔ واہ کیا تضمین کی ہے شعر کو اپنا کر لیا۔

عبداللہ خاں :-

جگر کو کر گئی گھائل تری نگاہِ ستم
علاج خوب کیا دردِ دل کا تو نے صنم
نہیں ہے زخم مرا کوئی قابلِ مرہم
کجا روم بچہ گویم بگو چہ چارہ کنم
کہ تیرِ عشق مرا اندرون جان زدہ

یہ اشعار پڑھ کر عبداللہ خاں خموش ہو گیا ڈروتھی کی جانب عشق و محبت سے چھلکتی ہوئی نظریں اٹھیں اور پابوس ہو کر رہ گئیں۔

ڈروتھی۔ (بہ انداز خاص) چپ کیوں ہو گئے۔ یہ بحرِ بے کراں بند کیسے ہوا ——————

عبداللہ خاں۔ کیا عرض کروں۔ مجھے یہ شعر یاد آگیا۔

ڈروتھی۔ فرمایئے وہ ایسا کون سا شعر ہے جس نے اس امنڈتے ہوئے سمندر کو روک دیا۔

عبداللہ خاں۔ ملاحظہ فرمایئے۔ عرض کرتا ہوں :-

اے بلبلِ خوش الحاں دم در گلو فرو بند

نازک مزاج شاہاں تابِ سخن ندارد

وڑوبھی۔ شکر ہے یہ بلبل خوش الحان کسی عنوان سے سہی۔ چپ تو ہوئی ورنہ اس غریب کنجشکِ فرومایہ کے بولنے کی تو باری ہی نہ آتی۔

عبداللہ خاں۔ اچھا تو اب یہ عندلیب گلشنِ حسن چہکے، زاغ و زغن خموش ہو گئے۔

وڑوبھی۔ ہاں تو جب اس طرح مدعائے دلی نہ ملا تو اب میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کوٹھی کے کونہ کونہ اور گوشہ گوشہ میں سیٹھ کے ساتھ پھری اور اُس کی نظروں کا ہر ہر مقام پہ جائزہ لیا ——— میرا خیال ہے کہ رام روپ محض سیڈسٹ نہیں اس میں دیوانگی کے اثرات بھی ہیں۔ اور دیوانہ خیالِ گناہ وجرم آنے پر اپنی آنکھوں کی ایک خاص چمک کو کسی طرح چھپانے کا اہل نہیں ہوتا یہ پردہ داری قدرت نے اس کی قدرت سے باہر رکھی ہے ——— میں نے اس تلاش وتجسس کے دوران میں یہ محسوس کیا کہ جب بھی ان سیڑھیوں پہ سے سیٹھ کے ساتھ گذری تو بیچ کے چوکے پہ آن کر اس کی نگاہوں میں وہ ہی چمک پیدا ہوتی تھی جس کی مجھے تلاش تھی۔ بلکہ ایک رات کو جب میں

کوئی بارہ بجے ان سیڑھیوں پر چڑھ رہی تھی اس وقت اس کی نیت بد ہوئی لیکن پیچھے سے تمہاری چاپ کی آواز سنائی دی اور سیٹھ دانت پیس کر رہ گیا۔

عبداللہ خاں۔ دیکھیے ہماری جان کو دعا ورنہ سرکار بھی شکار ہو چکی ہوتیں۔

ڈروتھی۔ (اندر کی جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے) بندہ پرور جس دن سے یہ کھیل کھیلنا شروع کیا ہے بندی یہ کھلونا ساتھ رکھتی ہے۔۔ ۔ ۔ ۔ بہر نوع اب میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ ہو نہ ہو یہاں کچھ بھید ہے پس چوہے کو لا کر زینہ پر چھوڑا اور بلی اس کے پیچھے ڈالی ——

اب یہ ہماری خوش قسمتی اور سیٹھ کی بدطالعی تھی کہ ایک سیڑھی میں ذرا سا سوراخ تھا میرے کئی چوہے وہاں غائب ہوئے جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس مقام پر کہیں نہ کہیں اچھا خاصہ خلا ہے ——

اس کے بعد اس سوراخ کے قریب کی دو تین سیڑھیاں میری مرکزِ نگاہ بنیں کچھ عرصہ تک انہیں بغور جانچا ایک ایک انچ پر نظریں گڑو گڑو کے دیکھا آخر کار گلِ مراد ملا۔ جوئندہ یابندہ۔

عبداللہ خاں۔ الفاظ نہیں کہ آپ کی عقل رسا کی داد دے سکوں واللہ کمال کیا ہے ——— بہر نوع اب تاخیر کس لئے مجرم کو بلاوجہ مہلت کیوں دی جائے ثبوت موجود ہے گرفتار کرا دینا چاہئے مبادا مشتبہ ہو کر فرار ہو جائے۔

ڈروتھی۔ اوں ہوں۔ ابھی نہیں ——— میں چاہتی ہوں کہ یہ جرم کرتا ہوا گرفتار ہو۔ ابھی چند روز ہمیں اور انتظار کرنا ہوگا۔

عبداللہ خاں۔ بہت خوب جیسی آپ کی مرضی۔ ہم تو ہاں جی کے نوکر ہیں۔

ڈروتھی۔ سیٹھ رام روپ کی آتش شوق شعلۂ رخسار اور نگاہوں کی گردش سے بھڑکاتی رہی ناز و انداز نے ہوا دی جب وہ دہک اٹھا تو ایک روز اس خرمن سوز نے خود ہی کہا سیٹھ آپ یہاں آ کر کیوں نہیں رہ جاتے۔ وہ بولا آپ کو تکلیف ہو گی۔ اس محبوبۂ عشوہ گر نے عجیب انداز دلبری سے کہا ——— اب بھی یہ تکلف۔ آپ کا قرب تو میرے واسطے عین راحت ہے تکلیف کیسی ——— باتوں باتوں میں بہ ادائے خاص نیچی نظریں کر کے کچھ لجبا کر قدرے بات چبا کر یہ بھی فرما دیا کہ پرسوں عبداللہ ایک دن کی چھٹی جا رہا ہے میں ساری کوٹھی میں

اکیلی رہوں گی اچھا ہے آپ ہی آجائیں مجھے تنہائی میں خوف بھی معلوم ہو گا۔ سرونٹس کو ارٹرز بھی ذرا دور ہیں۔ ظالم نے کچھ نہ کہا پھر بھی سب کچھ کہہ گئی دعوت عشق دے گئی خواہشات کا طوفان اٹھا گئی تمناؤں کا اندھیاؤ چلا گئی حوا کی بیٹی اپنا چھل کھیل گئی چال چل گئی ——— سیٹھ کے تو گھی کے چل گئے یہ ساری کوششیں اسی دن کے لئے تھیں عبداللہ کا کانٹا بھی گلشن مراد سے باہر جا رہا تھا۔ مقدر گلِ بے خار دلا رہا تھا ——— ان کی تو باچھیں کھل گئیں۔ فرمایا جو حکم مجھے تاب سرتابی کہاں۔

دوسرے روز سیٹھ صاحب آن وارد ہوئے۔ پتہ نہیں یہ گھنٹے کس طرح گزارے ہوں گے آتے ہی ایک دو باتوں کے بعد کہا عبداللہ چلا گیا جواب ملا۔ جی ہاں وہ کئی روز سے ایک دن کی چھٹی مانگ رہا تھا آخر میں نے کہا ہو آ بہر صورت نوکری ہے کوئی غلامی نہیں سیٹھ نے بے تعلق انداز میں کہا کل آجائے گا وہ بولیں کہہ تو یہی گیا ہے۔ اب پتہ نہیں کل آجائے یا پرسوں تک آئے لیکن وہ جب بھی چھٹی جاتا ہے وعدہ پہ آ ضرور جاتا ہے ایک عرصہ سے میرے پاس ہے۔

شام سیٹھ اور ڈروتھی نے ریسز میں گذاری اس کے بعد تاج آن بیٹھے۔

دورِ ساغر و مینا چلتا رہا جام چشم نے بھی اپنا رنگ جمایا شرابِ عشق سر کو چڑھنے لگی۔ عقل کو انگڑائیاں سی آنے لگیں۔ التفاتِ دلنواز نے نقل پیش کئے۔ ڈروتھی نے خود بھر بھر کر دی خود احتیاط سے پی سیٹھ کا گلاس چھلکتا رہا ——— کوئی رات کے گیارہ بجے واپس ہوئی۔

ٹھنڈی ہوا لگتے ہی ڈروتھی لگی بہکنے ——— زینہ پر رام دیپ نے بازو پکڑ کر چڑھایا۔ بیگم کے قدم لڑکھڑائے جاتے تھے۔ اس بخود و مدہوش کرنے والی کو سیٹھ نشہ میں سمجھا۔

سیڑھیوں پہ چڑھتے ہوئے ایک ٹھوکر نے ہلاکت آشام کمرے کا پٹ کھول دیا ——— ڈروتھی کو ایک وحشی درندہ اندر کھینچتا ہوا لے گیا ——— منٹوں میں چھت تہہ خانے میں اتر گئی ——— سیٹھ اژدہے کی مانند اس حسینہ کو اپنے آغوش میں لینے ہی کو تھا کہ ایک رسّی نے سانپ کی مانند اسے جکڑ لیا۔ ——— ڈروتھی اور علی مرزا کی پستولیں اس کی آنکھوں کے سامنے چمک رہی تھیں ——— ایک لمحہ کے لئے اس شیطان صفت انسان نے۔ نیزوں کی زد میں آئے ہوئے سور کی طرح ان دونوں کو دیکھا

نگاہوں میں مست ہاتھی کی سی چمک آئی ——— دیوانی طاقت نے اس رسی کو توڑ دیا جو توپی گھوڑوں کو روک سکتی تھی ——— دانت پیستا ہوا دونوں پر جھپٹا۔

علی مرزا کی انگلی لب بی دبانے ہی کو تھی کہ ڈروتھی نے کہا خبردار۔ جان لینے کا حق صرف عدالت کو ہے ——— ابھی یہ فقرہ ڈروتھی کے منہ سے نکلا ہی تھا کہ وہ سیٹھ کے چنگل میں تھی اور خونی انگلیاں اس کے سیمیں گلو پر ——— علی مرزا دونوں ہاتھوں سے اس درندے کے جبڑے چیر رہا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ سی، آئی، ڈی، مع چند سپاہیوں کے اندر داخل ہوا۔

اب سیٹھ آہنی زنجیروں میں تھا۔

دوسرے روز صبح بمبئی کے کوچہ و بازار میں اخبارات گرم چنوں کی طرح بکے۔ فروخت کرنے والوں نے دگنے اور تگنے دام کھرے کیے ——— ہر جریدہ کے پہلے صفحہ پر سیٹھ رام روپ کی گرفتاری کی خبر جلی حروف میں

درج تھی ——— مقدمہ عدالت میں گیا ———
مجرم پیش ہوا ——— ثبوت فراہم کئے جا چکے تھے ———
——— قانون کی مشین حرکت میں آئی ——— انصاف
نے اپنی تلوار اٹھائی ——— خون ناحق رنگ لائے ———
گاؤں کا راموریلیبٹی کا رام روپ دیوانی ماں اور مجرم باپ کا بیٹا کیفر کردار
کو پہنچا۔

ہماری ڈروتھی نے پھر یاسمین بن کر سی۔آئی کا کمرہ جا لبسایا چند روز
علی مرزا نہیں آیا تو یار دلنواز نے بلایا خلوت میں یاد فرمایا ———
عبد اللہ خاں کا بانا اب اتر چکا تھا ——— چاء پر دونوں میں گفتگو
شروع ہوئی۔ آج علی مرزا نظریں بچا کر باتیں کر رہا تھا ہونٹ زبان حال سے
کہہ رہے تھے کہ کوئی بات لبوں تک آتی ہے مگر روک لی جاتی ہے۔ یاسمین
نے چاء بناتے ہوئے کہا۔

یاسمین۔ جناب دو روز سے کہاں تھے تشریف نہیں لائے۔

علی مرزا۔ کاموں نے فرصت نہ دی۔

یاسمین۔ کیا کوئی نئی ڈیوٹی سپرد ہوئی ہے۔

علی مرزا۔ جی نہیں۔

یاسمین۔ پھر کیا کام تھے۔

علی مرزا۔ یہی روزمرہ کے دفتری کام۔

یاسمین۔ میں سپرنٹنڈنٹ صاحب کو ابھی ٹیلیفون کرتی ہوں کہ آخر یہ کیا ظلم ہے کہ اتنا بڑا کام انجام دینے کے بعد بھی آپ کو چند روز آرام کرنے نہیں دیتے۔

یہ کہتے ہوئے یاسمین ٹیلیفون کی جانب بڑھی کہ علی مرزا گھبرا کر بولا۔

علی مرزا۔ ٹیلیفون نہ کیجیے۔

یاسمین۔ کیوں آخر یہ بھی کوئی حرکت ہے۔ آپ انسان ہیں کوئی کولھو کا بیل تو نہیں۔

علی مرزا۔ صاحب کوئی سخت کام میرے سپرد نہیں ہے جو احتجاج کیا جا سکے۔

یاسمین۔ میں تو ایسا ہی سمجھتی ہوں کہ آپ کو میرے پاس آنے کی بھی فرصت نہ مل سکی۔

علی مرزا۔ یہ بات تو نہیں۔

یاسمین۔ پھر کیا بات ہے ——— یہ آج آپ بھچ بھچ کر کیوں باتیں کر رہے ہیں۔

علی مرزا۔ کیا عرض کروں۔

یاسمین۔ کچھ تو فرمایئے حضور۔ کوئی شعر ہی سہی۔

علی مرزا۔ اچھا شعر سنیئے آپ کی فرمائش تو پوری کرنی ہی پڑیگی۔

کہتا ہوں صاف صاف کہ مرتا ہوں آپ پر
ظاہر جو بات ہو اسے کوئی چھپائے کیوں

یاسمین۔ تو پھر اب تک کیوں چھپا رکھی تھی۔

علی مرزا۔ شاید اب بھی نہ کہتا۔

یاسمین۔ تو پھر کہہ کیوں دی۔

علی مرزا۔ آپ نے مجبور کر دیا۔

یاسمین۔ بندی معافی چاہتی ہے۔

علی مرزا۔ یاسمین انسان کو چاہیئے کہ اس گل کی تمنا کرے جو اُس کی دسترس میں ہو ——— چکور چاند کو نہیں پا سکتی۔ گرگٹ خورشید کو آغوش میں لے نہیں سکتا۔ یاسمین علی مرزا کے لئے بنی نہیں ———

معاف کیجئے گا ادھر نظر ڈالنا میری غلطی تھی۔

یاسمین۔ پھر جناب نے یہ غلطی کیوں کی۔

علی مرزا۔ یہ غلطیاں کی نہیں جاتیں ہو جاتی ہیں۔

یاسمین۔ تو پھر پچھتانے سے حاصل۔

علی مرزا۔ بے سود۔ ہاں بس اتنا سہارا ہے کہ ع

تجھ پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا

یاسمین۔ سچ مچ دل پر جناب کو قابو ہے۔

علی مرزا۔ ابھی تک تو اسی مغالطہ کو سینہ سے لگا رکھا ہے زندگی کا سہارا اسے بنا رکھا ہے۔

یاسمین۔ اور جناب کا کب تک مغالطہ در آغوش رہنے کا ارادہ ہے۔ معلوم تو ہو۔

علی مرزا۔ جب تک بھی رہ سکوں گا

یاسمین۔ علی مرزا میں مشکور ہوں آج آپ نے مجھے ایک صحیح سبق دیا ہے کاش کچھ پہلے سمجھ جاتی۔ خیر اب بھی غنیمت ہے۔

علی مرزا۔ کیا سبق۔

یاسمین۔ یہی کہ جو شے دسترس سے دور ہو اس کی آرزو کرنی ہی نہیں چاہیئے

یہ الفاظ کہنے کے بعد یاسمین کچھ افسردہ سی ہو کر بیٹھ گئی ——

علی مرزا تڑپ اٹھا شمع رو پر پروانہ وار نثار ہونے لگا۔ بولا میں سمجھا نہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ آخر یہ افسردگی بغیر سبب یعنی چہ۔ یاسمین نے کہا میں تو افسردہ نہیں ہاں سبق کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہی ہوں —— علی مرزا کا دل سینہ سے باہر نکلا آتا تھا اور یاسمین خموشش بیٹھی تھی۔ آخر مجبور ہو کر بولا اگر میری کوئی تقصیر ہوئی ہو تو للہ معاف کر دو میں تمہیں چپ چپ دیکھ نہیں سکتا —— خدا معلوم اتنے دن کس کس طرح دل دیوانہ کو سنبھالے سنبھالے لیئے پھرا ہوں —— میرا فرض میرے لیئے زیادہ دشوار نہ کرو یاسمین۔

یاسمین۔ کون سا فرض ؟

علی مرزا۔ کیا کہوں کون سا فرض۔ یہی فرض۔ بس کچھ کہہ نہیں سکتا۔ . . خدا کی قسم میرا دل میرے قابو میں نہیں —— آخر تم جو خموشش ہو گئیں تو میری کونسی بات بری لگ گئی۔ سزا دے لو پر ناراض نہ ہو —— یہ میں نہیں برداشت کر سکتا —— ع

لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

اتنا کہہ علی مرزا درحقیقت اس بُتِ عربدہ جو دزدِ دزد ونج کے روبرو ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا یاسمین نے دستِ سیمیں سے ہاتھ جدا کئے اور کہا جناب یہ کیا کر رہے ہیں میں غریب مخلوط نسل کی اس قابل کہاں کہ حضور نجیب الطرفین میرے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں —————— علی مرزا اس فقرہ کی تاب نہ لا سکا اور بولا یاسمین تم میرا مطلب غلط سمجھیں۔ خدا کی قسم یہ مدعا ہرگز نہ تھا —————— یاسمین نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور کہا تو پھر اور کیا مدعا تھا جناب کا علی مرزا بہ انداز نیازمندانہ بولا بیگم یہ خادم اپنے آپ کو غلامی میں پیش کرنے کے قابل نہ سمجھتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں غریب آدمی آپ دولتمند میرا آپ کا کیا ساتھ —————— دور رہا آپ سے جدا رہا۔ سینہ پر چھریاں چلتی رہیں۔ دل کے ٹکڑے ہوتے رہے۔ کوچہ و بازار میں پھرا باغوں میں گیا سینما پہنچا لیکن سکون کہیں نہ پایا —————— یاسمین اس خالق برحق کی قسم میری زندگی تم سے دور دوبھر ہو گئی —————— یہ کیا کرتا اپنے اور تمہارے مدارج میں اس درجہ افتراق پاتا تھا کہ امید کرنی بھی گناہ نظر آنے لگی۔ اتنا کہہ کر علی مرزا خاموش ہو گیا ——————

یاسمین نے کہا میں اس کا جواب آپ کو کل دوں گی اس وقت نہیں۔

دوسرے روز ایک رجسٹرڈ شدہ وقف نامہ کی نقل علی مرزا کو ملی جس کی رو سے یاسمین نے اپنا تمام مال و متاع دولت و ثروت اس لئے وقف کر دی تھی کہ ہندوستان میں بہت بڑے پیمانہ پر ایسا ہسپتال کھولا جائے جہاں ان لوگوں کا علاج ہو جو دماغ کی خرابی کی وجہ سے جرائم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں تحریر کیا گیا تھا کہ لیجے اب تو وہ سونے کی دیوار بھی نہ رہی جو میرے اور آپ کے درمیان حائل تھی۔ آگے دستخط تھے آپ کی کنیز یاسمین۔